معارف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

صدائے ثقلین

لندن

اپریل تا جون 2016ء (28)

- عالمی وحدت کانفرنس میں شریک اسلامی ملکوں کے علماء و مفکرین سے رہبر معظم کا خطاب
- صحیفۂ سجادیہ میں تربیت اولاد کے نقوش
- تاریکیوں سے "نور" کی طرف سفر
- ادب ادیب، مؤدب اور تادیب
- مولائے کائنات علیؑ
- اہل بیتؑ کا انداز عبادت
- ہجرت کا اسلامی تصور
- شرح چہل حدیث
- شیعہ اسلامی عقائد

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

28

صدائے ثقلین لندن

April to June 2016

The Sada-e-Saqalain London

معارف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی صدائے ثقلین

لندن

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

اپریل تا جون 2016ء، 28 جلد 7 شمارہ 4

نظارت

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی

مدیر

جعفر علی نجم

مجلس تحریر

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید علی رضا رضوی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری (مانچسٹر)

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل (مانچسٹر)

ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

خط و کتابت کیلئے

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

In Association with

Islamic Center of England

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK

Web: www.ic-el.com

Email: saqalainurdu@live.co.uk

فہرست

مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
سخن مدیر	جعفر علی نجم	3
عالمی وحدت کانفرنس میں شریک اسلامی ملکوں کے علما و مفکرین سے رہبر معظم کا خطاب	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی	5
شیعہ اسلامی عقائد	علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ	15
تاریکیوں سے "نور" کی طرف سفر	حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محمد علی شاملی	25
صحیفہ سجادیہ میں تربیت اولاد کے نقوش	حجۃ الاسلام مولانا سید شمشاد حسین رضوی	42
مولائے کائنات، علی علیہ السلام	حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری	55
ادب، ادیب، مؤدب اور تادیب	حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی	74
ہجرت کا اسلامی تصور	حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل	82
اہل بیتؑ کا انداز عبادت	آیت اللہ محمد محمدی ری شہری	95
شرح چہل حدیث	آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ	112

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن مدیر

آجا تیرے بغیر یہ جینا حرام ہے
تجھ پر خدا کا لاکھوں درود و سلام ہے
نرجس کے چاند اپنا تو چہرا ہمیں دکھا
رخ سے نقاب اٹھا اور جینا ہمیں سکھا
(حسن عسکری نقوی)

اس مرتبہ ذرا تاخیر کے ساتھ، سہ ماہی صدائے ثقلین کا ایک نیا شمارہ آپ کی خدمت میں چھپ کر بھی اور آنلائن بھی حاضر ہے۔ تاخیر ہونے پر تمام قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ البتہ ایک اچھی خبر یہ ہے کہ گزشتہ چند ماہ سے یہ رسالہ فقط آنلائن ہی پڑھا جا سکتا تھا اور اس سہ ماہی رسالے کے کچھ شمارے بوجوہ زیورطبع سے آراستہ نہ ہو سکے، لیکن الحمدللہ پچھلے شمارے سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو چکا ہے، اگرچہ نہایت ہی محدود پیمانے پر چھپتا ہے۔

ماہ رجب وشعبان اور ماہ مبارک مضان کی آمد ہے کہ جو حقیقت میں روحانی اور معنوی موسم کا آغاز ہے۔ ایک روایت کے مطابق ''رجب'' مولا امیرالمومنین علیہ السلام کا مہینہ ہے، ''شعبان'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور ماہ مبارک رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ امید کہ ہے ان تین عظیم مہینوں سے امت اسلامی بہترین استفادہ کرے گی اور اپنی آنے والی نسلوں میں ان مہینوں کی خیرات و برکات کو بھی منتقل کرے گی۔

آج دنیا کے ہر مذہب کا پیروکار منجی کی تلاش میں ہے۔ نیمہ شعبان میں منجی برحق، مہدی موعود، حجۃ اللہ البالغہ، حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی ولادت باسعادت کے موقع پر تمام عالم انسانیت، مسلمانوں

اورخاص پرمکتب اہل بیتؑ کے ماننے والوں کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتہنیت عرض ہے۔خداوند سے دُعا ہے کہ اپنی حجتؑ کا جلدظہورفرمائے۔حضرت امام رضاؑ کا ارشادگرامی ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَخْلُوْ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْهَا اِمَامٌ مِّنَّا۔

یہ زمین ہم اہل بیت کے گھرانے کے امام سے (لحہ بھربھی) خالی نہیں رہ سکتی۔[1]

ایک اورروایت میں حضرت امام باقرؑ کا فرمان ہے:

مَنْ مَّاتَ وَ لَیْسَ لَهُ اِمَامٌ. مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً وَّ لَا یُعْذَرُ النَّاسُ حَتّٰی یَعْرِفُوْا اِمَامَهُمْ۔

اگرکوئی شخص اس دنیا سے چلاجائے اوراس کا کوئی امام نہ تووہ جاہلیت کی موت مراہے اوراس سلسلہ میں لوگوں کا کوئی عذرقبول نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے امام وقت کی معرفت حاصل کریں۔[2]

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمارے ساتھ آپ بھی اس رسالہ کوآنلائن ویب سائٹ کے ذریعہ دنیا بھر کے قارئین تک پہنچانے مدوفرمائیں۔آپ سے استدعا ہے کہ اس سلسلہ میں دیگر علم دوست احباب کوبھی اطلاع دیکران کوبھی اس رسالے سے استفادہ کرنے کی طرف ترغیب دلائیں۔

ہم جناب قبلہ مولاناسیّدریاض حسین صفوی صاحب کی بھی گرانقدرزحمات پران کے شکرگزارہیں کہ جن کی وجہ سے یہ رسالہ تدوین کے مختلف مراحل سے گزرکرآپ کی خدمت میں حاضرہے۔

ہمیشہ کی طرح ہمیں قارئین محترم اورعلمائے کرام اورخاص طورپرآنلائن قارئین کے مفیداورقیمتی مشوروں نیزآراءوتجاویزکاانتظاررہےگا۔شکریہ!

والسلام

جعفرعلی نجم

(15راپریل2016ء)

✲✲✲✲✲

---

[1] کمال الدین،شیخ صدوقؒ،ص۲۲۹۔

[2] کمال الدین،شیخ صدوقؒ،ص۴۱۲۔

عید میلاد النبیؐ اور ولادت با سعادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے موقع پر بین الاقوامی وحدت کانفرنس میں شریک اسلامی ملکوں کے علماء و مفکرین سے

رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کا خطاب [1]

اسلامی تمدن سے متعلق سفارشات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّاہِرِیۡنَ۔

آپ حاضرین محترم، ملک کے اعلی عہدیداران، وحدت اسلامی اسمبلی کے مہمانوں اور اسلامی ممالک کے محترم سفراء کو جو اس نشست میں تشریف فرما ہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے فرزند بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام کے یوم ولادت با سعادت کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اسی طرح تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں تمام ملت ایران، مسلم امہ اور ساری دنیا کے آزاد منش انسانوں کو جو فضیلت و اخلاقیات کو اور فضیلت و اخلاقیات کی راہ میں مساعی و جدوجہد کو اہمیت دیتے ہیں۔

پیغمبر اکرم علیہ السلام کی ولادت اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ایک حیات نو تھی جو اس دور کی بے جان دنیا کے پیکر میں ڈال دی گئی۔ وہ دنیا ظاہری طور پر تو زندہ تھی، حکومتیں، سلطنتیں، سعی و کوششیں، سرگرمیاں سب تھیں، لیکن اس دنیا میں انسانیت کی موت ہو چکی تھی، فضیلتیں مردہ ہو چکی تھیں۔ صرف جفا، ظلم، تفریق اور قسی القلبی باقی بچی تھی، فضیلتیں مر چکی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وجود سے اور اپنے پیغام سے اس دنیا میں ایک نئی جان ڈال دی۔ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اپنے وجود سے اور اپنے پیغام

---

[1] یہ خطاب 29 دسمبر 2015ء کو ہفتہ وحدت کے موقع پر تہران میں کیا گیا۔ (بشکریہ از: www.khamenei.ir)

سے جان ڈال دی تو اس لئے کہ خود پیغمبر اکرم ﷺ سراپا اسلام تھے۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی زوجہ مکرمہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن۔

آپ ﷺ قرآن مجسم تھے۔[1]

پیغمبر اکرم ﷺ نے اور آپؐ کے ذریعے لائے گئے دین نے اس دنیا کے پیکر میں روح پھونکی: ﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾[2] یعنی وہ حیات کا درجہ رکھتے تھے اور آپؐ عوام الناس کیلئے، اس ظلمانی، بے جان اور بیمار دنیا کیلئے جو کچھ لائے وہ بھی حیات نو کے برابر ہے۔

ہم اور آپ آج یہ تقریب منعقد کر رہے ہیں۔ زبان سے خراج عقیدت پیش کرنا اور ایک ساتھ جمع ہونا بھی پسندیدہ فعل ہے، لیکن یہ، اسلام اور پیغمبر ﷺ کی پیروی کے ہم اور آپ جیسے دعویداروں سے جو توقعات ہیں، ان کے اعتبار سے کافی نہیں ہے۔ ہمیں بھی اس کوشش میں رہنا چاہیے کہ آج کی اس بے جان اور بیمار دنیا کے پیکر میں نئی روح پھونکیں۔ آج بھی دنیا ظلم کا شکار ہے، بے رحمی سے روبرو ہے، تفریق و امتیاز میں مبتلا ہے۔ آج بھی سب سے بڑا غم فضیلتوں کی موت کا ہے۔ فضائل کو مادی قوتوں کے وسائل کے ذریعے کچل دیا گیا ہے۔ انصاف کا گلا گھونٹا جا رہا ہے، انسانیت اور اخلاقیات کو کچلا جا رہا ہے، بے قابو قوتوں کے ہاتھوں انسانوں کا خون بہایا جا رہا ہے، بڑی طاقتوں کی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے کچھ قومیں بھوک مر رہی ہیں۔ یہ آج کی دنیا کی حالت ہے۔ یہ بھی اسلام کی آمد سے پہلے کے دور جاہلیت جیسا زمانہ ہے، یہ بھی دور جاہلیت ہے۔

آج مسلم امہ کا فرض صرف یہ نہیں ہے کہ میلاد النبیؐ یا یوم بعثت پیغمبرؐ کی یاد میں جشن منعقد کرے۔ یہ مسلم امہ کے فریضے کی نسبت بہت محدود عمل ہے۔ اسلامی دنیا کے دوش پر آج یہ ذمہ داری ہے کہ خود اسلام کی طرح، خود آنحضرت ﷺ کی طرح اس دنیا کے پیکر میں نئی روح پھونکے۔ نئی فضا ایجاد کرے، نیا راستہ تعمیر کرے، اس نئے افق کو جس کا ہمیں انتظار ہے، جسے ہم ''جدید اسلامی تمدن'' کہتے ہیں۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۳۴۰۔

[2] سورۂ انفال، آیت ۲۴۔: ''جب اللہ اور رسول تمہیں ایسی چیز کی دعوت دیں جو تمہیں حیات عطا کرتی ہے تو تم اس پر لبیک کہو''۔

ہمیں بشریت کے لئے جدید اسلامی تمدن کی سوچ میں لگ جانا چاہیے۔ بہت بنیادی قسم کا فرق ہے اس سوچ اور بشریت کے بارے میں بڑی طاقتوں کے طرز فکر اور طرز عمل کے درمیان۔ یہ سوچ سرزمینوں پر قبضہ کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ اس کا مقصد قوموں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا نہیں ہے۔ اس کا ہدف اپنی ثقافت اور طور طریقوں کو دوسری قوموں پر مسلط کرنا نہیں ہے۔ اس کا مقصد ہے قوموں کو تحفہ الہیہ پیش کرنا، تاکہ قومیں خود اپنے انتخاب سے، اپنے اختیار سے اور اپنی تشخیص کی بنیاد پر صحیح راستے کا انتخاب کریں۔ آج دنیا کی بڑی طاقتوں نے قوموں کو جس راستے پر گھسیٹ لیا ہے، وہ غلط اور گمراہی کی سمت لے جانے والا راستہ ہے۔ آج ہمارے دوش پر یہ ذمہ داری ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ یورپ کے لوگوں نے مسلمانوں کے علم و دانش اور مسلمانوں کے فلسفے سے استفادہ کر کے، اس دانش و فلسفے کی مدد لیکر اپنے لئے ایک تمدن کا خاکہ تیار کر لیا۔ البتہ وہ تمدن ایک مادی تمدن تھا۔ سولہویں سترہویں صدی سے اہل یورپ نے ایک نئے تمدن کی داغ بیل ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا، چونکہ یہ مادی تمدن تھا اس لئے انہوں نے گوناگوں وسائل اور ذرائع کو بے دریغ استعمال کیا، نتیجتاً ایک طرف وہ استعمار کی جانب نکل گئے، قوموں کو مغلوب کرنے میں لگ گئے، قوموں کی ثروت لوٹنے میں جٹ گئے اور دوسری جانب انہوں نے سائنس و ٹیکنالوجی اور تجربات کی مدد سے خود کو اندرونی سطح پر مضبوط بنایا اور اسی تمدن کو عالم بشریت پر مسلط کر دیا۔ یہ وہ کام ہے جو یورپیوں نے چار پانچ صدیوں کے اندر انجام دیا ہے۔ یہ تمدن جو انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس نے لوگوں کو ٹیکنالوجی، سرعت، آسائش اور زندگی میں استعمال ہونے والے وسائل کے چکا چوند جلوے فراہم کئے، لیکن انہیں خوشبختی نہیں دی، انصاف نہیں دیا۔ بلکہ اس کے برخلاف مساوات کو کچل کر رکھ دیا، کچھ قوموں کو غلام بنا لیا، کچھ قوموں کو مفلسی میں مبتلا کر دیا، کچھ قوموں کی توہین کی اور پھر یہ تمدن اپنی اندرونی سطح پر تضادات سے بھی دوچار ہو گیا۔ یہ لوگ اخلاقیات کے اعتبار سے دیوالیہ ہو گئے، روحانیت و پاکیزگی کے اعتبار سے کھوکھلے ہو گئے۔ آج خود اہل مغرب اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ ایک معروف مغربی رہنما نے مجھ سے کہا کہ ہماری دنیا کھوکھلی اور بے معنی ہے اور ہمیں اس کا پورا احساس ہے۔ انہوں نے بالکل صحیح کہا۔

اس تمدن میں ظاہری زرق برق تو ہے، لیکن وہ بشریت کیلئے بڑے خطرناک باطن کا حامل ہے۔ آج مغربی تمدن کے تضادات سامنے آ رہے ہیں۔ امریکہ میں کسی انداز سے، یورپ میں کسی اور صورت میں اور دنیا بھر میں ان کے زیر تسلط علاقوں میں ایک الگ روپ میں۔

اب ہماری باری ہے۔ اب اسلام کی باری ہے: ﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾[1] آج مسلمانوں کی باری ہے کہ ہمت و حوصلے کے ساتھ جدید اسلامی تمدن کی داغ بیل رکھیں۔ جس طرح اس زمانے میں یورپیوں نے مسلمانوں کے علم و دانش سے استفادہ کیا، مسلمانوں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا، مسلمانوں کے فلسفے سے استفادہ کیا، ہم بھی اسی طرح آج دنیا کے علم و دانش سے استفادہ کریں، دستیاب بین الاقوامی وسائل کی مدد لیں اسلامی تمدن کو قائم کرنے کیلئے، البتہ اسلامی ماہیت کے ساتھ، روحانیت و معنویت کے ساتھ۔ یہ ہمارا عصری فریضہ ہے۔

یہ خطاب بنیادی طور پر علمائے دین اور سچے دانشوروں سے ہے۔ اس حقیر کو اب سیاستدانوں سے کچھ خاص امید نہیں رہ گئی ہے۔ پہلے یہ تصور ذہن میں آتا تھا کہ دنیائے اسلام کے سیاسی رہنما بھی اس میدان میں مددگار واقع ہو سکتے ہیں، لیکن افسوس کہ یہ امید اب کمزور پڑ چکی ہے۔ اب ہماری امیدیں دنیائے اسلام کے علمائے دین اور سچے دانشوروں سے وابستہ ہیں جو مغرب کو اپنی قبلہ گاہ مان کر نہیں بیٹھے ہیں۔ اب انہی سے توقعات ہیں اور یہ ہدف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ ایسا کر پانا ممکن نہیں ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے۔ جی ہاں! اس کام کو انجام دیا جا سکتا ہے۔ عالم اسلام کے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے۔ ہمارے پاس اچھی آبادی ہے، اچھی سرزمینیں ہیں، ممتاز جغرافیائی محل وقوع ہے، دنیائے اسلام میں ہمارے پاس بے پناہ ذخائر ہیں۔ دنیائے اسلام میں ہمارے پاس نمایاں اور باصلاحیت افرادی قوت موجود ہے۔ اگر ہم اس سرمائے کو اسلامی تعلیمات کی مدد سے خود مختار بنا سکیں تو ہم علم کے میدان میں، سیاست کے میدان میں، ٹیکنالوجی کے میدان میں اور گوناگوں سماجی میدانوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھا سکتے ہیں۔

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۴۰۔ ترجمہ: ''اور یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں''۔

اس سلسلے میں اسلامی جمہوریہ ایک روشن مثال ہے۔ یہ عالم اسلام کیلئے ایک طرح سے مثالی تجربہ گاہ ہے۔ اس ملک میں جب تک اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، ہماری قوم حقیقت میں ایک پسماندہ، دوسروں کی محتاج، علمی اعتبار سے بہت پیچھے، سیاسی اعتبار سے بہت پیچھے، سماجی اعتبار سے بہت پیچھے اور سیاسی میدان میں بالکل الگ تھلگ پڑی ہوئی ایک قوم تھی۔ مگر آج ہماری ترقی و پیشرفت نے دشمنوں کو بھی اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اسلامی انقلاب کی فتح کو تقریباً پینتیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد آج علمی دنیا میں، سائنس و ٹیکنالوجی کی رینکنگ میں، دنیا کی بہت سی جدید ٹیکنالوجیوں کے میدان میں ہم ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ ایسی رپورٹیں جو پوری طرح مسلمہ اور مصدقہ ہیں، بتاتی ہیں کہ ہم کسی میدان میں ساتویں مقام پر، کسی میدان میں چھٹے مقام پر اور کہیں پانچویں مقام پر ہیں۔ ملت ایران اسلام کی برکت سے اپنے تشخص اور اپنی حقیقت کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس تجربے کو دوسری جگہوں پر بھی دہرایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ملکوں پر سپر طاقتوں کا منحوس سایہ نہ رہے۔ یہ اولین شرط ہے۔ البتہ اس کیلئے قیمت چکانی پڑتی ہے، کیونکہ کوئی بھی بڑا کام بغیر قیمت چکائے ہو نہیں پاتا۔ میں اس پر مغز اور انتہائی اہم نشست میں جہاں بہت بڑی اور اہم شخصیات تشریف فرما ہیں، یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ امت مسلمہ مجاہدانہ اور سنجیدہ جد و جہد کے ذریعے موجودہ دور کیلئے اسلامی تمدن کا خاکہ تیار کر سکتی ہے، اسے عملی جامہ پہنا سکتی ہے اور اسے بشریت کے سامنے پیش کر سکتی ہے۔

ہم بالجبر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ ہم کسی بھی ملک کو زبردستی دنیائے اسلام کے زیر تسلط نہیں لانا چاہتے۔ ہم یورپیوں کی طرح کام نہیں کرتے، ہماری روش امریکیوں جیسی نہیں ہے۔ یورپ والے تو بحر اوقیانوس کے ایک جزیرے سے اٹھے اور بحر ہند تک آگے بڑھتے گئے۔ ہندوستان جیسے عظیم ملک اور اس کے اطراف کی کئی ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ انہیں خوب لوٹا۔ خود تو مالدار ہو گئے جبکہ ان ریاستوں کو بدبختی میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے اس انداز سے کام کیا۔ وہ آج بھی یہی کام دوسرے طریقوں سے کر رہے ہیں، دوسری روشوں سے انجام دے رہے ہیں۔ دوسروں کے سرمائے سے، دوسروں کے پیسے سے، دوسروں کی دولت سے اور دوسروں کی محنتوں کے ثمرات سے اپنی ترقی کا راستہ

ہموار کرتے ہیں اور اپنے ظاہری روپ کو سنوارتے ہیں۔ البتہ ان کا باطن تباہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان کا باطن بوسیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا، وہ اندر سے کھوکھلے ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ مسلمانوں کو اگر کوئی کامیابی ملے گی تو ان کو برا لگے گا۔ اگر آپ کے اوپر مصیبت پڑتی ہے تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہتا: ﴿إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ﴾[1] ان لوگوں کا یہ مزاج ہے۔ قرآن یہی کہتا ہے۔ ہمیں ان کو نہیں دیکھنا چاہیے، ان کا دست نگر نہیں بننا چاہیے، ان کے اشارۂ ابرو کا منتظر نہیں رہنا چاہیے۔ ہمیں اپنا راستہ خود تلاش کر کے اس پر آگے بڑھنا چاہیے۔ یہ ہمارا اور ساری دنیائے اسلام کا فرض ہے۔

دشمنوں کا ایک اہم حربہ ہمارے اندر تفرقے کے بیج بونا ہے۔ میں ہمیشہ اس نکتے پر خاص طور پر زور دیتا ہوں۔ بھائیو اور بہنو! دنیائے اسلام کے مسلمانو! اگر میری آواز آپ کے کانوں تک پہنچ رہی ہے تو غور سے سنئے! جس دن امریکیوں کے بیانوں میں شیعہ اور سنی کا لفظ استعمال کیا گیا، ہمیں اسی دن سے تشویش لاحق ہوگئی، اہل نظر اسی وقت سے فکرمند ہو گئے۔ سنی اور شیعہ کے فرق کا امریکہ سے کیا مطلب ہے؟ ایک صیہونی یہودی امریکی سیاستدان کہ جو اسلام اور مسلمین کے خلاف شرانگیزی کے علاوہ کچھ کر ہی نہیں سکتا، اس کو کیا حق پہنچتا ہے کہ دنیائے اسلام کے اندر شیعہ اور سنی کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے! اہل سنت کے بارے میں کچھ کہے اور شیعوں کے تعلق سے اپنی رائے دے! جس دن امریکیوں کی زبان سے شیعہ اور سنی کے کلمات سنائی دیئے، یہاں اہل نظر افراد اور دقت نظر سے کام کرنے والے لوگ مضطرب ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ کوئی نیا فتنہ برپا ہونے والا ہے اور یہی ہوا۔

شیعہ سنی تنازعہ طویل تاریخ رکھتا ہے۔ برطانیہ اس کام میں بہت ماہر تھا۔ ماضی کے بہت سے واقعات ہیں اور ہمارے پاس ایسی بہت سی اطلاعات ہیں کہ برطانیہ کے عناصر کے ذریعے کس طرح شیعہ سنی اختلافات اور تنازعات کی آگ بھڑکائی گئی ہے۔ یہاں بھی، سابق حکومت عثمانیہ کے دور میں بھی اور عرب ممالک کے اندر بھی۔ انہیں آپس میں الجھائے رکھنے کیلئے یہ چالیں چلی جاتی تھیں۔ مگر اس وقت

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۰۔: ''تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں''۔

امریکیوں نے اس سلسلے میں جو سازش کی جو بساط بچھائی ہے وہ بڑی خطرناک ہے۔ کیا اسلام کے اندر کسی فرقے کی (امریکہ کی طرف سے) حمایت پر ہمیں خوشی ہونی چاہیے؟ اگر انہوں نے ہماری طرفداری کردی تو کیا ہمیں خوش ہونا چاہیے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہمیں مضطرب ہونا چاہئے اور غور کرنا چاہیے کہ ہمارے اندر کہاں خامی اور کمزوری ہے کہ دشمن اس کا غلط استعمال کرنے کی کوشش میں لگ گیا ہے۔ وہ ہماری طرفداری کا دکھاوا کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ لوگ تو سرے سے اسلام کے دشمن ہیں۔ حقیقتِ ماجرا وہی ہے جو نیویارک میں گیارہ ستمبر کے واقعے اور ان ٹاوروں میں ہونے والے دھماکوں کے بعد اس وقت کے امریکی صدر نے کہا تھا کہ: یہ صلیبی جنگ ہے۔ امریکی صدر نے بالکل صحیح کہا تھا۔ وہ برا انسان تھا لیکن اس کی یہ بات بالکل درست تھی۔ یہ اسلام اور سامراج کی لڑائی ہے۔ البتہ امریکی صدر نے تو عیسائیت کا لفظ استعمال کیا تھا اور صلیبی جنگ کی بات کی تھی، مگر یہ دروغ گوئی تھی۔ عالم اسلام میں عیسائی پورے تحفظ کے ساتھ زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔ آج بھی ہمارے ملک میں یہی ماحول ہے۔ بعض دوسرے ملکوں میں بھی یہی ماحول ہے۔ امریکی صدر کی مراد تھی استکباری طاقتوں اور دنیائے اسلام کے مابین جنگ۔ یہ بات صحیح تھی۔ یہ بیان صادقانہ تھا۔ امریکہ کے موجودہ حکمراں جو کہتے ہیں کہ ہم اسلام سے اتفاق رکھتے ہیں، مگر فلاں اسلامی فرقے کے ہم مخالف ہیں، فلاں اسلامی فرقہ ہمیں پسند نہیں ہے، یہ سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ لوگ منافقت کر رہے ہیں، یہ ریاکاری کر رہے ہیں۔ یہ بھی اسلام کے دشمن ہیں۔ انہیں بھی ایک ہی راستہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑایا جائے۔

ایک زمانہ تھا کہ جب پین ایرانزم، پین ترکزم، پین عربزم اور اس جیسے موضوعات کی مدد سے اختلافات کو ہوا دی جاتی تھی۔ یہ چال زیادہ کارگر نہیں رہی۔ آج مذہب و مسلک کے نام پر اختلاف پھیلانا چاہتے ہیں، نوجوانوں کو ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ داعش جیسے دہشت گرد گروہ امریکہ اور اس سے وابستہ طاقتوں کے پیسے اور سیاسی حمایت سے وجود میں آتے ہیں اور عالم اسلام میں یہ المیے رقم کرتے ہیں۔ یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

اگر یہ (امریکی اور ان کے ہمنوا) کہتے ہیں کہ ہم تو صرف شیعوں کے مخالف ہیں، اہل سنت کی ہم

حمایت کرتے ہیں تو یہ ان کا جھوٹ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ فلسطین کے عوام شیعہ ہیں یا سنی؟ تو پھر وہ فلسطینیوں کے سلسلے میں اتنے بے رحم کیوں ہیں؟ فلسطینیوں کے خلاف ہونے والے جرائم کو وہ جارحیت کیوں نہیں مانتے؟ غزہ کو کس طرح مسمار کیا گیا؟ مغربی اردن کے علاقوں پر کس طرح کی سختیاں کی گئیں اور اب بھی کی جارہی ہیں؟ یہ لوگ تو شیعہ نہیں ہیں، یہ تو سنی ہیں۔ دراصل امریکیوں کیلئے شیعہ اور سنی کا مسئلہ نہیں ہے۔ جو بھی مسلمان اسلام کے ساتھ، اسلامی قوانین اور اسلامی احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہے گا، اس کیلئے جدوجہد کرے گا اور اس راستے میں قدم آگے بڑھائے گا، اسے وہ اپنا دشمن مانیں گے۔

ایک امریکی سیاستدان کا انٹرویو لیا گیا۔ انٹرویو لینے والے نے اس سے سوال کیا کہ امریکہ کا دشمن کون ہے؟ وہ (امریکی سیاستدان) جواب میں کہتا ہے کہ امریکہ کی دشمن دہشت گردی نہیں ہے، امریکہ کے دشمن مسلمان بھی نہیں ہیں، امریکہ کی دشمن ہے اسلام پسندی، اسلام نوازی۔ یعنی جب تک مسلمان غفلت کے عالم میں عام زندگی گزارے اور اسلام کے بارے میں اس کے کوئی خاص جذبات نہ ہوں، اس وقت تک یہ لوگ اس مسلمان سے دشمنی نہیں کرتے، لیکن جیسے ہی اسلام پسندی کا معاملہ بیچ میں آیا، اسلام کی پابندی اور اس پر عمل درآمد کی بات آئی اور اسی اسلامی تمدن کی تشکیل کا معاملہ بیچ میں آیا، وہیں سے دشمنی شروع ہو جائے گی۔ اس نے بالکل صحیح کہا، اس کا دشمن ہے اسلامی رجحان۔ اسی لئے جب عالم اسلام میں بیداری کی لہر اٹھتی ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ کس طرح وہ سراسیمہ ہو جاتے ہیں، اس کے خلاف کمربستہ ہو جاتے ہیں، اسے کچلنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، اسے ختم کرنے کے پورے جتن کرتے ہیں۔ انہیں کچھ جگہوں پر کامیابی بھی ملی ہے۔ البتہ میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ اسلامی بیداری کی لہر ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اسلامی بیداری ان شاء اللہ فضل پروردگار سے، نصرت الٰہیہ سے اپنی منزل تک ضرور پہنچ کر رہے گی۔

ان کا مقصد مسلمانوں کے درمیان داخلی جنگوں کی آگ بھڑکانا ہے اور افسوس کی بات ہے کہ وہ کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ اسلامی ملکوں کو ایک ایک کر کے وہ تاراج کر رہے ہیں۔ شام کو

تباہ کررہے ہیں، یمن کو برباد کررہے ہیں، لیبیا کو اجاڑ رہے ہیں۔ انفراسٹرکچر تباہ کررہے ہیں۔ کیوں؟ ہم ان سازشوں کے سامنے بے بس کیوں ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ ان کے مذموم اہداف ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں؟ ہمیں اپنے اندر بصیرت پیدا کرنی ہوگی۔ اگر ہم اس میدان میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اپنے اندر آگاہی پیدا کرنا ہوگی۔ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

وَلَا يَحْمِلُ هٰذَا الْعَلَمَ اِلَّا اَهْلُ الْبَصَرِ وَالصَّبْرِ۔

(اور یہ وہ علم ہے جس کا بار صرف اہل بصیرت واہل صبر ہی اٹھا سکتے ہیں)۔[1]

اس کا مطلب ہے کہ بصیرت ہونا ضروری ہے اور اس راستے میں صبر وتحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ﴾[2] اگر ہم بصیرت سے کام لیں، اگر صبر وتحمل سے کام لیں، اگر استقامت و پائیداری کا ثبوت دیں تو یہ سازشیں بے اثر ہو جائیں گی۔ لیکن اگر ہم خود بھی دشمنوں کی طرح بات کرنے لگیں گے اور انہی کے انداز میں کام کرنے لگیں گے تو نتیجہ یہی ہوگا۔

بحرین میں مسلمانوں کو کیوں اس طرح کچلا جائے؟ نائیجیریا میں ایک مومن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیلئے کوشاں مصلح شیخ کے سلسلے میں اس طرح کیوں الیسے رقم کئے جائیں، تقریباً ایک ہزار لوگ کیوں قتل کئے جائیں، ان (شیخ زکزکی)[3] کے چھ بیٹوں کو کیوں شہید کیا جائے؟ ان ہولناک واقعات پر عالم اسلام کیوں خاموش رہے؟ تقریباً ایک سال سے یمن پر شب وروز جاری بمباری کو دنیائے اسلام کیوں برداشت کرے؟ تقریباً ایک سال، دس مہینے سے زیادہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ یمنی عوام کے گھروں، اسپتالوں، اسکولوں، سڑکوں، بے گناہ لوگوں، مرد وزن سب پر بم برسائے جا رہے ہیں، کیوں؟ کیا اس سے دنیائے اسلام کا بھلا ہونے والا ہے؟ شام میں کسی الگ انداز سے اور عراق میں کسی اور طرح سے۔ دشمن کے اہداف بے حد خطرناک ہیں۔ ان کے یہ اہداف بقول خود ان کے تھنک ٹینکوں میں طے پاتے ہیں، ہمیں بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷۳۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۰۔ ترجمہ: اور اگر تم صبر سے کام لو تو ان کی کوئی بھی تدبیر تمہارے خلاف کارگر ثابت نہیں ہوسکتی''۔

[3] نائیجیریا کے معروف شیعہ عالم دین شیخ ابراہیم زکزکی۔

ہم نے عرض کیا کہ اصلی ذمہ داری دنیائے اسلام کے علماء اور سچے روشن فکر افراد کے دوش پر ہے۔ انہیں چاہیے کہ عوام الناس سے اس سلسلے میں بات کریں، اپنے سیاسی رہنماؤں کو متوجہ کریں۔ دنیائے اسلام کے کچھ سیاسی رہنما بیدار ضمیر کے مالک ہیں، ہم نے قریب سے یہ چیز دیکھی ہے۔ یہ لوگ اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ اس نشست میں میری گزارش یہ ہے کہ ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت کے جشن سے یہ پیغام اخذ کریں کہ اسلام نے جو کام روز اوّل انجام دیا تھا اور اس زمانے کی مردہ دنیا کے پیکر میں نئی جان ڈال دی تھی، اسی چیز کو ہم آج اپنا نصب العین قرار دیں۔ اس کیلئے عقل و منطق، تعقل و تدبر، بصیرت و آگاہی اور دشمن کی شناخت کی ضرورت ہے۔ ہمیں دشمن کو پہنچانا ہوگا، دشمن کی سازشوں کو سمجھنا ہوگا، دشمن کے فریب میں آنے سے خود کو بچانا ہوگا۔ اللہ تعالی ہماری مدد فرمائے، ہمیں اپنے سیدھے راستے پر قرار دے اور ثابت قدم رکھے۔ عرب شاعر نے بالکل درست کہا ہے:

اَلدَّهرُ يَقظَانٌ وَ الأَحدَاثُ لَم تَنَمِ
فَمَا رُقَادُكُم يَا اَشرَفَ الأُمَمِ[1]

جب دنیائے قدرت، دنیائے زر و اپنے تمام وسائل کے ساتھ آپ کی گھات میں ہے تو آپ کو اونگھنے کا حق نہیں ہے، غفلت کی نیند سو جانے کا حق نہیں ہے۔

پالنے والے اس انداز سے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے جو دنیا اور اسلام کیلئے پسندیدہ ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

✲✲✲✲✲

[1] مشہور عرب شاعر "احمد شوقی"۔: "زمانہ بھی بیدار ہے اور حوادث بھی سوئے نہیں ہیں، تو اے بہترین امت تم کیوں سو رہی ہو"۔

قسط:14

شیعہ اسلامی عقائد
{امام شناسی}
بارہ اماموں کے مختصر حالات زندگی

از: علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ

ساتویں امام: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام موسیٰ بن جعفر (کاظم) علیہ السلام، چھٹے امام کے بیٹے ہیں جن کی ولادت باسعادت ۱۲۸ھ میں ہوئی اور ۱۸۳ھ میں قید خانے میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

آپؑ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد خدا کے حکم اور آباء واجداد کے تعارف سے امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ ساتویں امامؑ، عباسی خلفاء منصور، ہادی، مہدی اور ہارون کے ہم عصر تھے۔ آپ بہت ہی تاریک اور مشکل دور میں خاموشی کے ساتھ (سخت تقیہ کی حالت میں) بہت کٹھن زندگی گزارتے رہے۔ آخرکار جب ہارون الرشید حج کیلئے مدینہ گیا تو اس کے حکم سے امام ہفتم کو اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب آپ مسجد نبوی کے اندر نماز میں مشغول تھے۔ آپؑ کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا گیا اور پھر مدینہ سے بصرہ اور بصرہ سے بغداد لے جایا گیا۔ اس طرح آپؑ کو کئی سال تک قید میں رکھا گیا۔ اس کے ساتھ ہی آپؑ کو ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے میں منتقل کرتے رہتے تھے۔ آخرکار بغداد کے قید خانے میں سندی بن شاہک ملعون نے آپؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ آپؑ "مقابر قریش" میں جو اس وقت کاظمیہ (بغداد، عراق) میں واقع ہے دفن کیے گئے۔

آٹھویں امام: حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام علی بن موسیٰ (رضا) علیہ السلام، ساتویں امامؑ کے بیٹے ہیں۔ آپؑ کی ولادت باسعادت ۱۴۸ھ میں ہوئی اور ۲۰۳ھ میں شہادت ہوئی۔

امام ہشتم علیہ السلام اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد خدا کے حکم اور اپنے بزرگوں کے تعارف سے عہدۂ امامت پر فائز ہوئے۔ اپنی امامت کا کچھ حصہ ہارون الرشید عباسی خلیفہ کے زمانے میں گزارا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے امین عباسی اور پھر مامون عباسی کے ہم عصر بھی رہے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مامون اور امین میں اختلافات پیدا ہوگئے جس کے نتیجہ میں خونریز جنگیں شروع گئیں اور آخرکار امین مارا گیا اور مامون نے خلافت پر قبضہ کرلیا۔

اس وقت تک علوی سادات کیلئے بنوعباس کی سیاست بڑی سخت اور خونی تھی جو کہ روز بروز سخت تر ہوتی جارہی تھی۔ جب بھی علویوں میں سے کوئی شخص اپنی تحریک شروع کرتا تو خونریز جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا تھا اور یہ امر خلافت کیلئے سخت مشکلات پیدا کردیتا تھا۔

اگرچہ اہل بیت علیہم السلام کے شیعہ رہنما اور امام اس زمانے تک تحریک اور انقلاب شروع کرنے والوں کے ساتھ تعاون اور مداخلت نہیں کیا کرتے تھے لیکن شیعہ جن کی تعداد اس زمانے میں بھی قابل توجہ تھی ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کے آئمہ طاہرین علیہم السلام کو اپنا دینی رہنما اور واجب الاطاعت جانتے تھے اور ان کو ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی خلفاء مانتے تھے، کیونکہ خلافت اور دارالخلافہ قیصر و کسریٰ کے درباروں کا نمونہ بن چکے تھے اور ایک لاابالی عیاش گروہ کے ذریعے ملکی امور انجام پاتے تھے۔ شیعہ ان حکومتوں کو ناپاک اور اپنے آئمہ علیہم السلام کی شان کے خلاف جانتے تھے، لہذا اس حالت کا جاری رہنا اور ترقی کرنا بھی حکومت اور خلافت کیلئے سخت خطرناک تھا اور یہ خطرہ ہمیشہ درپیش تھا۔

مامون نے سوچا کہ ان مشکلات کو اس کے آباء واجداد کی ستر سالہ پرانی سیاست حل نہ کرسکی تھی، لہذا وہ چاہتا تھا کہ ایک نئی سیاسی چال کے ذریعے ان مشکلات کو ختم کردے اور وہ یہ تھی کہ امام ہشتم کو اپنا ولی عہد (جانشین) بنالے اور اس طرح آئندہ کیلئے ہر ایسی مشکل کا حل تلاش کرلے، کیونکہ جب

علوی سادات اپنے آپ کو خلافت کا حصہ دار سمجھ لیں گے، اس کے علاوہ شیعہ بھی اپنے امام کو خلافت کا جانشین دیکھ لیں گے جس کو وہ ہمیشہ ناپاک اور پلید کہتے آئے ہیں تو اس وقت وہ روحانی اخلاص وارادت جو وہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے بارے میں رکھتے ہیں آہستہ آہستہ زائل ہو جائے گی اور اس طرح ان کے مذہبی عقائد بھی مٹ جائیں گے اور اس کے ساتھ ہی وہ خطرہ بھی خود بخود مٹ جائے گا جو ان کو خلافت اور سیاست سے رہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اصل مقصد حاصل ہو جانے کے بعد مامون کیلئے امام رضا علیہ السلام کو ختم کر دینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ مامون نے اپنے اس فیصلے اور عزم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے امام رضا علیہ السلام کو مدینہ سے مَرو میں بلایا۔ سب سے پہلے آپؑ کو خلافت کی اور اس کے بعد جانشینی کی پیشکش کی لیکن آپؑ نے مختلف طریقوں سے معذرت کر کے اس پیشکش کو قبول نہ کیا۔ آخر کار مامون نے بڑے اصرار سے جانشینی پر آپؑ کو راضی کر لیا اور امام علیہ السلام نے بھی مجبوراً اس شرط پر یہ عہدہ قبول کر لیا کہ حکومت کے کاروبار یا کسی کو منصب دینے یا معزول کرنے میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔

یہ واقعہ ۲۰۰ھ میں پیش آیا۔ اس کے مگر تھوڑے ہی عرصے بعد مامون کو شیعوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ترقی اور اپنے امامؑ سے بہت زیادہ محبت اور عوام کے استقبال اور حتیٰ کہ خود اس کے سپاہیوں اور اعلیٰ عہدیداروں کی توجہ امام رضا علیہ السلام کی طرف زیادہ ہو جانے سے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ اس کا سدباب کرنے پر آمادہ ہوا۔ اسی وجہ سے اس نے آپؑ کو زہر دلوا کر شہید کروا دیا۔

شہادت کے بعد امام ہشتم علیہ السلام کو ایران کے شہر طوس میں جس کو اب ''مشہد'' کہتے ہیں دفن کیا گیا۔

مامون الرشید عقلی علوم کی طرف بہت زیادہ مائل تھا۔ اس سلسلے میں اس نے علوم عقلی کے عربی میں ترجمے کرائے۔ وہ علمی مجالس بھی منعقد کیا کرتا تھا جن میں مختلف مذاہب کے علماء اور دانشور جمع ہوتے تھے۔ اس طرح وہاں علمی مناظرے ہوا کرتے تھے۔ امام ہشتم علیہ السلام بھی ان مجالس میں شرکت کیا کرتے تھے اور دوسرے مذاہب کے علماء کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے۔ ان مجالس اور مناظروں کو بہت سی شیعہ احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔

نویں امام: حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام محمد بن علی علیہ السلام (جن کا لقب ''تقی'' یا ''جواد'' اور کہیں ''ابن الرضاؑ'' بھی ملتا ہے) آٹھویں امام کے فرزند ہیں۔ آپؑ کی ولادت باسعادت ۱۹۵ھ میں ہوئی اور ۲۲۰ھ میں عباسی خلیفہ معتصم کی ایماء پر آپؑ کی بیوی نے جو عباسی خلیفہ مامون کی بیٹی تھی، آپؑ کو زہر دے کر شہید کیا۔ آپؑ اپنے جدامجد امام ہفتم کے پہلو میں کاظمیہ (کاظمین) میں مدفون ہیں۔

آپؑ اپنے والد ماجد کے بعد خدا کے حکم اور بزرگوں کے تعارف سے امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ امام محمد تقی علیہ السلام اپنے والد کی وفات کے وقت مدینہ میں تھے۔ اس کے بعد مامون نے آپؑ کو بغداد میں بلایا جو اس زمانے میں خلافت کا مرکز یا دار الخلافہ تھا۔ ظاہری طور پر آپؑ کے ساتھ بہت زیادہ شفقت اور محبت روا رکھی گئی، یہاں تک کہ خلیفہ نے اپنی بیٹی کا نکاح بھی آپؑ سے کر دیا اور بغداد میں ہی ٹھہرا لیا۔ درحقیقت مامون یہ چاہتا تھا کہ اس ذریعے سے امام علیہ السلام کو گھر کے اندر اور گھر کے باہر نظر بند رکھے تاکہ آپؑ پر پورا کنٹرول کر سکے۔

ایک عرصہ تک امام محمد تقی علیہ السلام بغداد میں تشریف فرما رہے۔ پھر مامون کی اجازت سے مدینہ چلے گئے اور مامون کے زمانۂ حکومت کے آخر تک مدینہ میں ہی قیام پذیر رہے۔

مامون کی وفات پر معتصم باللہ نے عنان حکومت سنبھالی تو امام محمد تقی علیہ السلام کو دوبارہ مدینہ سے بغداد بلایا گیا۔ اس کے بعد آپؑ پر پابندی عائد کر دی گئی اور آخر کار معتصم باللہ کے حکم یا اشارے سے امام محمد تقی علیہ السلام کی بیوی کے ذریعے آپؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا گیا۔

دسویں امام: حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام علی بن محمد علیہما السلام (جن کا لقب ''نقی'' اور کہیں ''ہادی'' بھی ملتا ہے) دسویں امام ہیں۔ آپؑ امام نہم کے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۱۲ھ میں کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور ۲۵۴ھ میں عباسی خلیفہ معتز باللہ نے آپؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام سات عباسی خلیفوں یعنی مامون، معتصم، واثق، متوکل، منتصر، مستعین اور معتز کے ہم عصر رہے۔

معتصم باللہ کے عہد خلافت ۲۲۰ھ میں جب آپؑ کے والد ماجد امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد میں زہر دے کر شہید کردیا گیا تھا اس وقت آپؑ مدینہ منورہ میں تھے اور خدا کے حکم اور اپنے آباء واجداد یعنی گزشتہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے تعارف سے آپؑ امامت کے منصب پر فائز ہوئے اور اسلامی تعلیمات دینا شروع کیں، یہاں تک کہ عباسی خلیفہ متوکل کا زمانہ آ گیا۔

خلیفہ متوکل نے ۲۴۳ھ میں دشمنوں کی شکایات سن سن کر حکومت کے اعلیٰ عہدیدار کو حکم دیا کہ دسویں امام علیہ السلام کو مدینہ سے سامرا منتقل کر دیا جائے جو اس زمانے میں خلافت کا مرکز تھا۔ اس نے امامؑ کو ایک محبت بھرا خط لکھا جس میں آپؑ کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کی گئی تھی اور آپؑ سے تشریف لانے اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔

جب آپؑ تشریف لے آئے تو آپؑ کے سامرا میں داخل ہونے کے بعد ظاہری طور پر تو کوئی اقدام نہ کیا گیا لیکن آپؑ کی توہین اور ہتک کے اسباب فراہم کر دیئے گئے اور آپؑ کی توہین میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا۔

خلیفہ متوکل عباسی، خاندان رسالت کی دشمنی میں دوسرے خلفاء کے مقابلے میں بے مثال تھا۔ خصوصاً حضرت علی علیہ السلام کا سخت دشمن تھا اور آپؑ کی شان میں کھلم کھلا توہین آمیز الفاظ کہا کرتا تھا حتی آپؑ پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک شخص کو مامور کیا ہوا تھا جو بھری محفل میں آپؑ کی نقلیں اتارا کرتا تھا اور خلیفہ قہقہے مار کر ہنسا کرتا تھا۔ ۲۳۷ھ میں اس کے حکم سے کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقبرہ، گنبد اور آس پاس کے کئی مکانات کو مسمار کر کے زمین کے ساتھ یکساں کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اس کے حکم سے امام علیہ السلام کے مقبرے پر پانی چھوڑا گیا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ امام علیہ السلام کے مقبرہ کی جگہ پر ہل چلا کر کھیتی باڑی کی جائے تا کہ امام علیہ السلام کے مزار کی جگہ اور آپؑ کا نام بالکل مٹ جائے۔

متوکل کے زمانے میں علوی سادات کے حالات رقت بار اور ناگفتہ بہ ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ

ان کی عورتوں کے پاس تن ڈھانپنے کیلئے کپڑے تک موجود نہ تھے اور بعض کے پاس صرف ایک بوسیدہ سی چادر ہوا کرتی تھی جس کو اوڑھ کر وہ باری باری نماز ادا کیا کرتی تھیں۔ اس قسم کے دباؤ ان علوی خاندانوں پر بھی وارد ہوئے جو مصر میں قیام پذیر تھے۔

امام دہم علیہ السلام متوکل کے شکنجوں کو برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے چلا گیا، اس کے بعد منتصر، مستعین اور معتز باری باری خلیفہ بنے۔ معتز کی ایماء پر آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

گیارہویں امام: حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت امام حسن بن علی (عسکری) علیہ السلام دسویں امام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ آپؑ کی ولادت باسعادت ۲۳۲ھ میں ہوئی اور عباسی معتمد باللہ نے زہر دے کر آپؑ کو شہید کروا دیا۔

گیارہویں امام اپنے والد کی شہادت کے بعد حکم خدا اور گزشتہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے تقرر سے امامت کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔ آپؑ اپنی سات سالہ امامت کے دوران خلیفہ کی سختیوں اور ظلم و ستم کے باعث تقیہ کی حالت میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے تھے۔ لہٰذا آپؑ عام لوگوں کو حتیٰ شیعوں کو بھی اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، سوائے ان خاص افراد کے جن کو آپؑ ذاتی طور سے جانتے تھے۔ اس طرح آپؑ زیادہ تر نظر بندی کی زندگی گزارتے رہے۔

ان تمام سختیوں اور دباؤ کا مقصد ایک تو یہ تھا کہ اس زمانے میں شیعوں کی تعداد اور طاقت قابل توجہ حد تک پہنچ چکی تھی اور چونکہ شیعہ امامت کے قائل ہیں، یہ بات سب پر واضح اور روشن ہو چکی تھی اور شیعوں کے آئمہ علیہم السلام بھی جانے پہچانے تھے، اسی لئے ہر خلیفہ، امام وقت کو زیادہ سے زیادہ زیر نظر اور زیر کنٹرول رکھتا تھا اور جس طرح بھی ممکن ہوتا اپنے خفیہ منصوبوں کے ذریعہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کو ختم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

دوسرے یہ کہ خلیفہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ شیعہ گیارہویں امام علیہ السلام کے بیٹے پر ایمان رکھتے ہیں اور گیارہویں امام علیہ السلام اور اسی طرح گزشتہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی احادیث سے پتہ چلتا تھا کہ انہی کے فرزند امام مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ہوں گے جن کے بارے میں حدیث متواترہ کے ذریعہ خاص و عام نے

اطلاع دی ہے اور شیعہ ان کو بارھواں اور آخری امام مانتے ہیں۔ اسی وجہ سے گیارہویں امام علیہ السلام دوسرے تمام آئمہ طاہرین علیہم السلام سے زیادہ خلیفہ کے زیر نظر تھے اور خلیفۂ وقت بھی پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ جس طرح بھی ہو، شیعہ امامت کی کہانی کو ختم کردے اور اس دروازے کو ہمیشہ کیلئے بند کردے۔

یہی وجہ ہے کہ جونہی گیارہویں امام علیہ السلام کی علالت کی خبر خلیفہ کو پہنچی تو اس نے فوراً آپؑ کے پاس طبیب اور حکیم بھیجے اور ساتھ ہی اپنے چند قابل اعتماد افراد کو آپؑ کے گھر میں متعین کردیا جو قاضی تھے۔ وہ ہمیشہ آپؑ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، گھر کے اندر اور باہر کے حالات پر نظر رکھتے تھے۔ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی آپؑ کے خانہ مبارک کی تلاشی لی گئی اور دائیوں کے ذریعے آپؑ کی کنیزوں کا معائنہ کرایا گیا۔ دو سال تک خلیفہ کے گماشتے آپؑ کے بیٹے کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ بالکل ناامید اور مایوس ہوگئے۔

گیارہویں امام علیہ السلام کو ان کی شہادت کے بعد ان کے گھر کے اندر شہر سامرا میں ان کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

واضح رہے کہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام نے اپنی زندگی میں علماء، محدثین اور دانشوروں کے بہت زیادہ گروہوں کو زیور علم سے آراستہ کیا ہے کہ جن کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم نے ان کے ناموں، حالات اور کتابوں کی فہرستیں لکھنے کو نظر انداز کردیا ہے۔

بارہویں امام: حضرت امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی زندگی پر اجمالی نظر

حضرت مہدی موعود علیہ السلام (جو عام طور پر "امام زمانہ" اور "صاحب الزمان" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں) گیارہویں امام کے فرزند ہیں اور ان کا نام بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر "محمد" ہے۔

آپؑ کی ولادت ۲۵۵ھ میں سامرا میں ہوئی۔ ۲۶۰ھ یعنی اپنے والد ماجد کی شہادت تک ان کے زیر تربیت زندگی گزارتے رہے، لیکن لوگوں سے بالکل الگ اور ان کی نظروں سے مخفی۔ سوائے خاص شیعوں کے کسی کو آپؑ کے بارے میں کوئی اطلاع نہ تھی اور نہ ہی کوئی ان سے ملاقات کرسکتا تھا۔

گیارہویں امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب آپؑ امامت کے منصب پر فائز ہوئے تو آپؑ خدا

کے حکم سے غائب ہوگئے اور اپنے نائبین کے سوا کسی کو نظر نہیں آتے تھے اور وہ بھی خاص حالات میں۔

خاص نائبین:

حضرت امام مہدی علیہ السلام نے ایک مدت تک عثمان بن سعید عمری کو جو آپؑ کے دادا اور پھر آپؑ کے والد کے اصحاب میں سے تھے، نیز ثقہ اور امین بھی تھے، اپنا نائب مقرر کیا۔ آپؑ ان کے ذریعے شیعوں کے سوالات اور درخواستوں کے جواب دیا کرتے تھے۔ عثمان بن سعید کے بعد ان کے بیٹے محمد بن عثمان امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے نائب ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی آپؑ کے نائب خاص کی حیثیت سے منصوب ہوئے۔ حسین بن روح کی وفات کے بعد علی بن محمد سمری کو امام مہدی علیہ السلام کی نیابت حاصل ہوئی۔

ابھی علی بن محمد سمری کی وفات میں چند دن باقی تھے (جو ۳۲۹ھ میں فوت ہوئے) کہ امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف سے ایک حکم نامہ جاری ہوا جس میں علی بن محمد سمری لکھا گیا تھا کہ وہ چند دن بعد فوت ہو جائیں گے اور اس کے بعد خاص نیابت کا عہدہ ختم ہو جائے گا اور غیبت کبریٰ شروع ہو جائے گی۔ یہ غیبت کبریٰ اس دن تک جاری رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے دوبارہ ظہور کا اذن فرمائے گا۔

اس حکم کے مطابق حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے:

۱۔ غیبت صغریٰ:

غیبت صغریٰ ۲۶۰ھ سے شروع ہوئی اور ۳۲۹ھ تک جاری رہی۔ اس غیبت کا عرصہ ستر سال ہے۔

۲۔ غیبت کبریٰ:

غیبت کبریٰ کا زمانہ ۳۲۹ھ سے شروع ہوا اور جب تک خدا تعالیٰ چاہے گا یہ غیبت جاری رہے گی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث شریف میں فرماتے ہیں (جس پر تمام اسلامی فرقوں کو اتفاق ہے):

لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ وَّاحِدٌ لَطَوَّلَ اللهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى
يَبْعَثَ اللهُ فِيْهِ رَجُلًا مِنْ وُلْدِيْ يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِيْ يَمْلَؤُهَا عَدْلًا وَّ

قِسطًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَ جَوْرًا۔

اگر دنیا کی زندگی ایک دن بھی باقی رہتی ہوگی تو بھی خداوند تعالیٰ اس دن کو اس قدر لمبا کردے گا کہ میری اولاد سے ایک فرد کو جو میرے ہم نام ہوگا بھیجے گا جو اس دنیا کو عدل وانصاف سے مالا مال کردے گا جیسا کہ وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی۔[1]

امام مہدی علیہ السلام کا ظہور (عام عقیدے کے مطابق):

ہم نبوت اور امامت کی بحث میں اشارہ کر چکے ہیں کہ عام ہدایت کے قانون کے مطابق جو ہر قسم کی آفرینش اور کائنات میں جاری وساری ہے، بنی نوع انسان ضرورت کے لحاظ سے ایک ایسی طاقت رکھتے ہیں (وحی ونبوت کی طاقت) جو ان کو کمال انسانیت اور سعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ کمال وترقی اور سعادت انسان کیلئے امکان پذیر اور قابل وقوع نہ ہو تو اس کی طاقت اور قوت منسوخ اور باطل ہو جائے گی، لیکن آفرینش اور فطرت میں منسوخی یا ابطال موجود ہی نہیں ہے۔ نیز جب سے انسان اس دنیا میں سکونت اور قیام پذیر ہے، اسی دن سے اس کو ہمیشہ ایک ایسی اجتماعی زندگی کی آرزو اور خواہش رہی ہے جو حقیقی سعادت اور خوشحالی پر مبنی ہو اور اس سعادت تک پہنچنے کیلئے لگاتار کوشش میں مصروف ہے۔ اگر یہ آرزو اور خواہش یا امید پوری ہونی محال ہوتی یا اس کا کوئی بیرونی وجود نہ ہوتا تو ہرگز انسان کے دل میں ایسی خواہش یا امید پیدا ہی نہ ہوتی۔

اس لحاظ سے ضرورت (قانون قدرت) کے مطابق اس دنیا کے مستقبل میں بھی وہ دن ضرور آئے گا، جس دن اس کی یہ آرزو پوری ہو جائے گی اور انسانی معاشرہ عدل وانصاف سے بھر جائے گا اور تمام بنی نوع انسان آپس میں پیار، محبت اور صلح وصفا سے زندگی بسر کریں گے اور اس دن ہر شخص فضیلت کے انتہائی درجے پر پہنچ جائے گا۔

البتہ ایسی حالت کا پیدا ہونا بھی خود انسان کے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر ایسے معاشرے کا رہنما اور رہبر انسانی دنیا کا نجات دہندہ اور دوسرے الفاظ میں "امام مہدیؑ" ہوگا۔

---

[1] الارشاد، ج ۲،ص ۳۴۱۔ سنن ابی داؤد ۴: ص ۱۰۶، حدیث ۴۲۸۲۔ سنن الترمذی، ج ۴،ص ۵۰۵، حدیث ۲۲۳۱۔

دنیا کے مختلف مذاہب مثلاً بت پرست، یہود، مجوس اور اسلام وغیرہ سب میں ایسے شخص کے بارے میں اشارے ملتے ہیں جو دنیا کو نجات دلائے گا اور ان تمام مذاہب میں اس شخص کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اگرچہ ایسے شخص کے بارے میں اختلاف نظر موجود ہے کہ وہ کون ہوگا، لیکن اسلام میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متفق علیہ احادیث میں وہ شخص: ''اَلْمَهْدِیُّ مِنْ وُلْدِیْ ''یعنی: ''مہدی موعودؑ میری اولاد (نسل) میں سے ہوگا''، اس کی طرف اشارہ ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کا ظہور (خاص عقیدے کے مطابق)

ان بے شمار احادیث کے علاوہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے خاص وعام ذرائع سے امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور کے بارے میں ہم تک پہنچی ہیں کہ آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل اور اولاد سے ہوں گے اور انسانی معاشرے کو حقیقی کمال وخوش بختی تک پہنچائیں گے اور اس معاشرے کو ایک روحانی زندگی عطا فرمائیں گے۔ بہت زیادہ دوسری احادیث وروایات بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف، گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حقیقی فرزند ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں، لیکن غیبت کبریٰ کے بعد ظاہر ہوں گے اور اس دنیا کو عدل وانصاف سے مالا مال کردیں گے جیسا کہ وہ اس وقت ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔

✲✲✲✲✲

تیسری قسط:

تاریکیوں سے ''نور'' کی طرف سفر

(''نور''، قرآن کریم کے نقطہ نظر سے)

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محمد علی شمالی

اللہ سبحانہ وتعالٰی نے خلقت کی بنیاد اور اساس نور اور تاریکی کے ملاپ پر رکھی ہے۔ یقیناً اس پر مزید غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نور اور تاریکی کا یہ ملاپ، کسی دو حقیقی چیزوں کا امتزاج اور ملاپ نہیں ہے۔ فی الواقع یہ نور کی مقدار کے درجات کا مختلف ہونا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ تاریکی ایک حقیقی شے ہے جس کا مادہ نور کے ساتھ مل رہا ہو، بلکہ اس کو ہماری فہم کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب ہمارے پاس نور ہوتا ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب اس کے ساتھ کسی قسم کی تاریکی ملی ہوئی نہیں ہے، لیکن جب آپ کا نور کامل نہیں ہوتا تو وہاں تاریکی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ تاریکی بھی یقیناً کچھ نور کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے نور اور تاریکی کو خلق کیا ہے، بلکہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ﴾

ساری تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو مقرر کیا۔[1]

پھر ارشاد ہے کہ جو کچھ بھی اس دنیا میں خلق کیا گیا ہے، اس کے اندر ایک نور موجود ہے۔ خداوند کی ذات خود بھی نور ہے۔ پس ہمارے پاس نور کامل موجود ہے کہ جس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے۔

---

[1] سورہ انعام، آیت ۱۔

دُعائے کمیل میں ہم کہتے ہیں:

یَا نُوْرُ یَا قُدُّوْسُ۔

اے نور اور اے خالص و پاکیزہ ذات!۔[1]

یہ حقیقت کہ ''قدوس'' کو خداوند کے ناموں میں سے ایک نام کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ نہایت اہم ہے۔ چونکہ دیگر ہر قسم کا نور کسی نہ کسی طرح محدود ہے اور کامل نہیں ہے، مگر فقط خداوند کی ذات ہے جو ''قدوس'' (خالص و کامل) ہے کہ جو قابل حمد و ثنا ہے۔ خداوند کی ذات کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں کہ جس کی حمد و ثنا کی جا سکے۔

اس کے باوجود کہ ہمارے پاس یہ نور بھی ہے جو مخلوق کا نور ہے اور ایک اور نور بھی ہے کہ جس کی ہر چیز کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خلق کیا ہے۔ جب یہ انسانوں اور جنوں اور دیگر مخلوقات کے متعلق ہو تو ان دونوں کے پاس اختیار ہے۔ پس یہ دونوں اس نور میں اضافہ کر سکتے ہیں یا اس کو کھو بھی سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے اس نور کے متعلق بات کی تھی کہ جس کو ان لوگوں کو عطا کیا گیا ہے کہ جو اس میں خدا اور رہنمائی کے ذریعہ اضافہ کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ قرآن مجید میں سب ربانی کتابوں کے بارے کہا گیا ہے کہ یہ نورانی کتب ہیں اور خاص طور پر یہ بات قرآن مجید کے بارے میں ذکر کی گئی ہے۔ اس کے بعد ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی ایک نور کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝﴾

اے پیغمبرؐ! ہم نے آپؐ کو گواہ، بشارت دینے والا، عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور خدا کی طرف سے اس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔[2]

---

[1] مفاتیح الجنان، دعائے کمیل۔

[2] سورۂ احزاب، آیت ۴۵-۴۶۔

اس آیہ مجیدہ کے مطابق رسول خداؐ بھی نور ہیں۔ قرآن مجید میں کسی اور ہستی کی اس طرح توصیف بیان نہیں کی گئی۔ البتہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں کے اندر نور نہیں پایا جاتا۔ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ نور پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر نیک لوگوں اور انبیاء علیہم السلام میں۔ بہر کیف اس طرح کسی اور کا قرآن مجید میں بیان نہ کیا جانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی غیر معمولی ہستی ہے۔

اس سلسلہ میں تھوڑا سا غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی فقط نور ہی نہیں بلکہ آپ ''سراج'' (چراغ) ہیں کہ جو منبع نور ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سی چیزیں ہوں کہ جن میں نور موجود ہے، لیکن سب کو نور کے منبع کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا۔ ''سراج'' کو پہلے دن سے ہی اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ خود بھی چمکے اور دوسروں کو بھی منور کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''سراجا منیرا'' کی تعبیر بیان کی ہے۔ واضح ہے کہ ''سراج'' کہتے ہی اس کو ہیں جو دوسروں کو منور کرے۔ اس لئے کہ ایک فانوس لائٹ اور نور کے بغیر بیکار اور بے فائدہ ہے۔ بہر حال حقائق پر مزید توجہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خداوند متعال خود کو نور دہندہ فانوس کی صورت میں توصیف کرتا ہے کہ جو مسلسل طور پر منور کرتا ہے۔

قابل ذکر ہے کہ ایک دُعا ہے کہ جس کو زیارت آل یاسین کے بعد پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس دُعا میں ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر درود بھیجے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۤ اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیِّ رَحْمَتِكَ وَ كَلِمَةِ نُوْرِكَ۔

اے پروردگارا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جو

تیرے نبی رحمت اور تیرے نور کی نشانی ہیں، پر درود بھیج۔ [1]

یہ جملے ان خوبصورت ترین جملات میں سے ہیں کہ جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں ہمارے مصادر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خالص نور ہیں، جیسا کہ خلق ہونے والے نور کو خالص ہونا چاہیے۔ البتہ اس کو خداوند متعال کی ذات کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ ایک قطرے کو سمندر کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہاں پر پھر بھی

---

[1] بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۲۔

اختلاف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، لیکن مخلوقات کے نور کا خداوند کی ذات کے نور سے قطعی موازنہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ واضح رہے کہ رسول کریم ﷺ نور مخلوقات میں سب سے بہترین اور کامل ترین ہے۔

اس مقام پر یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ نور رسول کریم ﷺ کو کیسے حاصل ہوا؟ اس سوال کا جواب ہمیں سورۂ احزاب کی آیہ مجیدہ میں غور کرنے سے معلوم ہوگا جس میں ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾﴾

وہ وہی ہے کہ جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی منزل تک لے آئے اور وہ صاحبان ایمان پر بہت زیادہ مہربان ہے۔[1]

''رحمت'' خداوند کی طرف سے ایک عنایت ہے کہ جو ہر شے کو شامل ہوتی ہے، لیکن ''رحیم'' ہونا ایک اضافی عنایت ہے کہ جو فقط مومنین کے شامل حال ہوتی ہے۔

وہ میکینزم جو اللہ تعالیٰ ہمارے ولی اور سرپرست ہونے کے ناطے سے تاریکی سے نور کی طرف لے جانے کیلئے استعمال کرتا ہے، اسکی یہاں پر وضاحت کی گئی ہے۔ پھر ایک اور آیت میں ہم نے پڑھا تھا:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ﴾

اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو صاحبان ایمان ہیں۔ خداوند ان کو تاریکی سے نور کی طرف لے جاتا ہے۔[2]

یہ سب کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی ذات ہمیں رہنمائی کرتی ہے اور پھر ہم عقیدہ رکھتے ہیں ان چیزوں پر جو خداوند کے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور دیگر پیغام ربانی میں ہمیں بتائی گئی ہیں، لیکن اس کی ذات ہمیں کس طرح نور عطا کرتی ہے؟ اس کی ذات ہمارے لئے راستے ہموار کر کے ہمیں نور عطا کرتی ہے۔ البتہ یہ اس طرح کا راہ حل نہیں ہے کہ جس کو افواج استعمال کرتی ہیں۔ یہ راہ حل حقیقت پر مبنی ہے

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۴۳۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۷۔

اور یہ خداوند کی رضائے الٰہی کے زمرے میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کسی مبالغہ آرائی کے بغیر تمام مخلوقات میں کلیدی کردار ہے۔ اس دنیا میں کیا کچھ ہوتا ہے؟ اس دنیا پر کیا گزرتی ہے؟ اور جو کچھ بھی اچھائی موجود ہے یہ سب کا سب رحمت الٰہیہ کی وجہ سے ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی رحمت کو اس کی دیگر خصوصیات میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید میں خداوند کے تصور کے بارے میں ہم نے کافی تفصیل کے ساتھ تحقیق کی ہے کہ خداوند کی کن صفات کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے یہ پایا کہ ''رحمت'' کے بارے میں سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے ۵۹۶ آیات کا تعلق بلا واسطہ رحمت خداوند سے ہے۔

قرآن مجید میں سوائے سورۂ توبہ کے باقی تمام سوروں کی ابتداء رحمٰن اور رحیم سے ہوتی ہے۔ اگرچہ سورہ ''نمل'' میں بسم اللہ کو دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا یہ نمبر بھی قرآنی سوروں جیسا نمبر ہے۔ سورۂ فاتحہ کہ جو قرآن کریم کا ابتدائی سورہ ہے اور یہ بہت اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ اس سورہ کے بغیر کوئی نماز قابل قبول نہیں ہے۔ اس سورہ کا آغاز ہی فقط ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کے ساتھ نہیں ہوا، بلکہ اس کے بعد اگلی آیت میں ان دونوں الٰہی صفات کی تکرار کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾﴾

تمام تعریف اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، جو نہایت مہربان اور رحمت فرمانے والا ہے۔[1]

واضح رہے کہ جب جگہ کی کمی ہوتی ہے تو پھر آپ کو ایک خاص طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے اور اس بات سے اس جملہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ جس کو دو مرتبہ اس سورے میں بیان کیا گیا ہے۔ یقیناً یہ وہ اوقات ہیں کہ جن کو بلا واسطہ رحمت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے وگرنہ اس کو اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہیے تھا۔ بطور مثال ''رب العالمین'' جب ہم کہتے ہیں تو خداوند کی ''رحمت'' کی وجہ سے کہتے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمارا رب ہے۔ یہاں تک کہ ''مالک یوم الدین، اھدنا الصراط

---

[1] سورۂ فاتحہ، آیت ۱۔۲۔

المستقیم'' بھی رحمت ہے۔ پس کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آسکتی مگر یہ کہ اس میں رحمت پروردگار شامل ہو جائے۔ البتہ یہاں پر ہم ایک خاص ''رحمت'' کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، کیونکہ رحمت کی کئی اقسام ہیں۔ ایک تو خداوند کی وہ رحمت ہے جو ہمیں وجود عطا کرتی ہے اور ایک وہ رحمت ہے کہ جو ہمیں مال و ثروت عطا کرتی ہے۔ ایک اور خاص رحمت بھی ہے کہ جو نور کی طرف جاتی ہے اور اسے ''صلوات'' کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیہ مجیدہ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ﴾: (وہ وہی ہے کہ جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی منزل تک لے آئے۔) اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جب بھی آپ ''صلوات''، ''یصلی'' یا ''صلوا'' کو دیکھیں تو آپ کو یقیناً معلوم ہونا چاہیے کہ یہ نور کے بارے میں ہے۔

ہم اس آیہ مجیدہ کی طرف پھر لوٹیں گے اور پھر اس بارے میں علامہ طباطبائیؒ کا وہ نکتہ بیان کریں گے کہ ایک شخص کس طرح اس ''درود'' کیلئے استعداد پیدا کرسکتا ہے تا کہ وہ بھی نور کی طرف جا سکے؟ بہر حال جہاں تک درود کا رسول کریم ﷺ کی ذات سے تعلق ہے تو اس بات کی ضمانت موجود ہے۔

اسی سورہ احزاب کی ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؀﴾

بیشک اللہ اور اس کے ملائکہ رسول ﷺ پر صلوات بھیجتے ہیں، تو اے صاحبان ایمان تم بھی ان پر صلوات بھیجتے رہو اور سلام کرتے رہو۔[1]

یہ اس بات کی تصدیق ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ذات پر صلوات کا سلسلہ جاری ہے اور یہ آیت اس بات کی ضمانت ہے۔ اس لئے کہ عربی زبان میں جب ہم فعل کو زمانہ حال میں استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کام مسلسل طور پر جاری ہے۔ اب جب ہم اس آیت مجیدہ کو پچھلی آیت کے ساتھ ملا کر غور کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند متعال اور اس کے فرشتے مسلسل طور پر

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۵۶۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج رہے ہیں۔ پس اللہ تعالی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ نور کی طرف لے جاتا ہے۔ پس اس طرح ہر دم اللہ تعالی کی طرف سے اس کے پیغمبر کے نور میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''سراج منیر'' کبھی بھی بجھتا نہیں اور یہ کئی صدیوں تک چمکتا رہتا ہے۔ کوئی بھی اس نور کی شناخت نہیں کرسکتا۔ ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝٨﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے، چاہے یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔[1]

آیہ صلوات کا پہلا جملہ بتا رہا ہے کہ خداوند اور اس کے فرشتے کیا کرتے ہیں اور پھر اہل ایمان کو کیا کرنا چاہیے۔ اہل ایمان کو بھی خداوند اور فرشتوں کی پیروی کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور سلام بھیجنا چاہیے یا مکمل طور پر اپنے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تسلیم خم کرنا چاہیے۔ یقیناً جو سلام بھی ہم کسی کو پیش کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ بہت ہی اچھے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں اور اس کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس طرح درود و سلام بھیجیں؟ اگر درود وسلام بھیجنے کا مطلب یہ ہو کہ رحمت اور نور کو بھیجنا، تو پھر ہم کیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج سکتے ہیں؟ یقیناً جب ہم درود وسلام بھیجتے ہیں تو ہم اپنے اوپر درود وسلام نہیں بھیجتے بلکہ ہم یہ دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی درود وسلام بھیجے۔ جب کوئی درود پڑھتا ہے تو کہتا ہے: اے خداوندا! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیج۔ یہاں تک کہ جب ہم درود شریف پڑھتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آپؐ پر صلوات بھیجے، کیونکہ ہم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور میں اضافہ نہیں کرسکتے۔ ہم فقط یہ کرسکتے ہیں کہ اللہ تعالی سے دُعا کریں کہ اللہ تعالی بھی درود بھیجے۔

---

[1] سورۂ صف، آیت ۸۔

ایک روایت میں اس طرح نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوات کا مطلب ''رحمت'' ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوات کا مطلب ''تزکیہ'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے خالص ہونے کی دُعا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اس روایت میں آگے بڑھ کر یوں آیا ہے کہ جب لوگ درود بھیجتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دُعا کرتے ہیں۔ ہمارے برادران اہل سنت نے اپنی کتابوں جیسے سیوطی نے اپنی تفسیر ''الدر المنثور'' میں صحیح مسلم، صحیح بخاری، سنن ابی داوٗد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ. قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ: اَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَلِمْنَاهُ. فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ: قُلِ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

کعب بن عجرۃ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: (یارسول اللہ!) آپؐ پر سلام کے بارے میں تو ہمیں علم ہو چکا ہے، لیکن آپؐ پر درود بھیجنے کی کیا کیفیت ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: یوں کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔[1]

رسول کریم ﷺ اور آپؐ کی آلؑ پر سب سے مختصر ترین درود کہ جو قابل قبول ہے وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

اس سے کمتر قابل قبول نہیں ہے۔ اگر کوئی تفصیل کے ساتھ درود پاک پڑھنا چاہے تو ہم روایت میں

---

[1] تفسیر در منثور، ج ۶، ص ۶۴۷ بحوالہ: صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد، ص ۳۰۳، حدیث ۶۶۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ص بعد التشہد، ص ۱۲۹۵، حدیث ۹۷۸۔

مذکور درود شریف سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

الغرض درود میں ہم اللہ تعالی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ رسول کریم ﷺ پر اپنا درود و سلام بھیجے۔ پس جہاں تک رسول کریم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ کا نور ختم ہونے والا نہیں ہے۔ یہ مسلسل طور پر اللہ تعالی کی طرف سے آ رہا ہے، چاہے ہم اللہ تعالی کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے درود پڑھیں یا نہ پڑھیں، آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت ہمیشہ جاری رہے گی۔ چونکہ اللہ سبحانہ وتعالی اور اس کے فرشتے مسلسل طور پر اس درود کو انجام دے رہے ہیں۔ جیسا کہ آیت مجیدہ میں آیا ہے اور جس کا پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن اگر ہم اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے درود شریف بھیجیں اور اللہ تعالی سے التجا کریں تو دراصل ہم نے دو کام انجام دیئے ہیں: ایک یہ کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کی مدد کی۔ اس لئے کہ ہر اچھا مومن اور عقیدتمند اچھا بن کر رسول کریم ﷺ کی مدد کر سکتا ہے۔ ہر اچھا عقیدتمند اچھا بن کر رسول کریم ﷺ کے نور کا مظہر بن سکتا ہے۔ پس اس طرح بہت سے لوگ رسول کریم ﷺ سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں ایک ارب چھ کروڑ مسلمان موجود ہیں، اگر وہ سب واقعی طور پر رسول کریمؐ کے نور کے مظہر بن جاتے تو کسی قسم کی تاریکی نہ بچتی۔ رسول کریمؐ کی ذات نہایت ہی منور نور ہے، اگر ہر کوئی ہر کونے میں رسول کریمؐ کی اتباع کرتے ہوئے آپؐ کی صفات کو اپناتا تو نہ اس دنیا میں کوئی تاریکی رہتی اور نہ کوئی جہالت۔ لہذا یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ جس قدر بھی ممکن ہو سکے رسول کریمؐ کی اتباع کرتے ہوئے خود کو آپؐ کی تمام صفات سے متصف کریں۔

کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے نور میں کیسے اضافہ کر سکتے ہیں؟ یہ سوال ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم ایک اچھے مسلمان بن جائیں گے تو پھر خداوند یا تو رسول کریم ﷺ کے نور کو بڑھائے گا یا پھر آپؐ کے نور کو ہمیں زیادہ دکھلائے گا اور یہ ہماری خوبی کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر ہم نے صحیح عمل نہ کیا تو پھر نور نبی بھی زیادہ نہیں دکھلائے گا اور افسوس کے ساتھ مجھے یہاں پر یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم مسلمان خود رسول کریم ﷺ کے نور میں رکاوٹ ہیں۔ ہم لوگ دوسروں کو نہ تو نور دیکھنے دیتے ہیں اور نہ ہی اس سے فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں

اور ایک برا شخص بھی ہوں، میں بالکل رسول کریم ﷺ اور لوگوں کے نور سامنے کھڑا ہوں تو یہ اس لئے ہے کہ لوگ مجھے دیکھیں اور نور رسول کریم ﷺ کو میری وجہ سے دیکھیں، لیکن میں اس کو نہیں دکھاتا اور اس نور کو روک دیا ہے۔ بہت سے لوگ تو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں گے: اے خداوندا! ہمیں معاف فرمانا، اس لئے کہ ہم نے اپنی ہی بستی کے لوگوں کو دیکھا اور اسے ہی اسلام سمجھ بیٹھے۔ اگرچہ شاید یہ عذر ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، بہرحال یہ ایک ایسا عذر ہے کہ جو برے مسلمانوں کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہیں گے کہ جو مسلمان ہم نے دیکھے ہیں وہ ایماندار نہ تھے بلکہ برے تھے، تو ہم نے سمجھا کہ اسلام ہی اس طرح ہے۔ پس ہم خود مسلمان ہی کبھی کبھار رسول کریمؐ کے نور میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اصل صورت حال تو یہ ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کو بالکل شفاف ہونا چاہیے، اسی طرح ان کو بالکل نیک اور ایماندار ہونا چاہیے تاکہ ان کا یہ عمل رسول کریم ﷺ کے نور کو منعکس کر سکے۔ یہ وہ کیفیت ہے کہ ہمیں اس طرح ہونا چاہیے۔

واضح رہے کہ صلوات کا ایک مقصد یہ ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ رسول کریمؐ پر درود بھیجے اور اطاعت شعاری کے ساتھ میں رسول کریمؐ کے ساتھ محبت بھی کرتا ہوں، آپؐ کی پیروی بھی کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی رسول کریم ﷺ کی مدد کرتا ہے۔ ایک اور چیز یہ ہے کہ جب آپ رسول کریمؐ پر صلوات بھیجتے ہیں تو اللہ آپ پر صلوات بھیجتا ہے۔ یہ بات خود رسول اکرم ﷺ سے ایک روایت میں نقل ہوئی ہے کہ جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر درود بھیجے گا۔ دوسرے لفظوں میں آپ رسول کریم ﷺ کیلئے درود بھیجنے کی دُعا کریں تو اللہ تعالیٰ رسول کریمؐ کی ذات پر درود بھیجتا ہے اور آپ پر بھی بھیجتا ہے۔ اس بات کو خاص طور پر صلوات کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ بات عام طور پر موجود ہے کہ جب آپ کسی کیلئے دُعا کریں تو اللہ آپ کو بھی اور اس کو بھی عطا کرتا ہے۔ پس درحقیقت اگر کوئی میری حاجت ہو تو اس کے حصول کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ میں آپ کیلئے دُعا کروں، اس طرح اس کی قبولیت کے امکان بہت زیادہ ہے۔ (مثال کے طور پر) اگر میں زیارت پر جانا چاہتا ہوں تو بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ خدوندا اس کی آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ یہ ایک اصول ہے کہ جب

آپ کوئی چیز چاہتے ہیں اور ابھی تک آپ دوسروں کیلئے وہی دُعا کر رہے ہیں تو اس طرح اس کا زیادہ امکان ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ خود اپنے لئے اس چیز کی دُعا کرتے۔ جہاں تک صلوات کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں ہمارے پاس خاص روایات موجود ہیں اور یہی عام قاعدہ صلوات کے بارے میں جاری ہے۔ پس یہ صلوات بھیجنے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود وسلام کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر کسی کو خداوند کی طرف سے درود وسلام حاصل ہو جائے تو وہ اس کو تاریکی سے نور کی طرف لے جائے گی۔ یہ اس کی ذات مقدس ہے کہ جو آپ پر رحمت نازل کرتی ہے، اسی طرح اس کے فرشتے بھی رحمت نازل کرتے ہیں تا کہ ذات باری تعالی آپ کو تاریکی سے نور کی طرف نکالے۔

لوگوں کا ایک وہ گروہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف درود وسلام بھیجا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو صبر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾

اور ہم یقیناً تمہیں تھوڑے خوف، تھوڑی بھوک اور اموال، نفوس اور ثمرات کی کمی سے آزمائیں گے اور اے پیغمبرؐ! آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیں۔ [1]

یہاں پر فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ کس طرح ہمیں اسکول اور یونیورسٹی کے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے؟ چاہے وہاں پہ کوئی تحریری امتحان نہ بھی ہو، لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی زبانی امتحان یا کوئی تشخیص کا معیار ضرور ہوگا اور یہی آگے بڑھنے کا راستہ ہے۔ بطور مثال اگر کوئی اپنے کسی پیارے کو ہاتھ سے دے بیٹھے تو یہ امتحان کا مرحلہ اس کیلئے کتنا سخت ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

جو مصیبت پڑنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں۔ [2]

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۵۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۶۔

اگر آپ اس سادہ سے نکتے کو یاد رکھیں کہ ہم سب اللہ تعالی کی طرف سے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف واپس لوٹیں گے تو پھر ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا آغاز بھی خداوند کی ذات ہے کہ جو کامل ہے اور ہمارا انجام بھی اسی کی ذات کی طرف ہے۔ ارشاد ہے:

﴿أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾

ان کیلئے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔[1]

ان مذکورہ نکات کہ جن کو ہم نے بیان کیا ہے، اس آیت مجیدہ کے اس جملے ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالی کی طرف سے جن کو صلوات شامل ہے'' کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ کی طرف سے نور حاصل ہوگا۔ اس کی ذات کی رحمت، نور ہے اور چونکہ وہ نور حاصل کر چکے ہیں، لہٰذا وہ صحیح راستے کی طرف ہدایت پا چکے ہیں۔ پس جب کوئی ہم پر مشکل وقت آجائے تو اگر ہم صبر سے کام نہ لیں تو ہم حواس باختہ ہو جائیں گے، ہمیں معلوم نہ ہوگا کہ ہم نے کرنا کیا ہے؟ بہر حال اگر ہم صبر سے کام لیں گے تو نہ فقط ہمیں اجر ملے گا بلکہ ہمیں مزید نور عطا ہوگا اور پھر ہم اس پوزیشن میں ہوں گے کہ فیصلہ کر پائیں کہ ہمیں بعد میں کرنا کیا ہے۔

یہاں پر زیارت عاشورا میں اسی طرح کا ایک جملہ موجود ہے۔ زیارت عاشورا میں ایک وہ چیز جو ہم اللہ تعالی سے مانگتے ہیں یہ ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا مِمَّنْ تَنَالُهُ مِنْكَ صَلَوَاتٌ وَرَحْمَةٌ وَمَغْفِرَةٌ۔

اے خدا! اس مقام پر مجھے ان لوگوں میں سے قرار دے کہ جن کو تیری طرف سے درود و سلام، رحمت اور بخشش حاصل ہوتی ہے۔[2]

جب کوئی شخص صحیح طرح سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرتا ہے تو اس کو یقیناً نور حاصل ہوتا ہے۔ یہ نور آپ کو آپ کے مستقبل کیلئے مدد کرتا ہے تا کہ آپ ایک بہتر پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ صحیح چیزوں کو سمجھ سکیں اور آپ کے ماضی میں اگر کوئی ایسی مشکل ہو تو آپ اس کی معافی طلب کر سکتے ہیں۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۷۔

[2] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا۔

میں یہ درود و سلام (نور) چاہتا ہوں، مجھے رحمت اس لئے چاہیے تا کہ میں مستقبل میں غلطیوں سے بچ سکوں، مجھے اپنے ماضی کیلئے مغفرت چاہیے۔ پس صحیح زیارت ہمیں خالص بنا دیتی ہے۔ قم میں ایک دوست نے کسی ایک صاحب کے بارے میں چند سال پہلے ایک داستان نقل کی ہے۔ ایک مرتبہ ان کا ایک دوست کہ جو طالب علم تھا، آیت اللہ بہجتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قبلہ نے اس سے کہا: وہ نور جو ہر روز آپ کے چہرے پر ہوا کرتا تھا، آج نظر نہیں آ رہا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ: آج میں نے زیارت عاشورا نہیں پڑھی۔ پس ہر چیز کا اپنا نور ہوتا ہے۔ زیارت عاشورا کا اپنا ایک نور ہے۔ ممکن ہے میں نہیں دیکھ پاتا، لیکن آپ اس کو دیکھ سکتے ہوں۔ بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ چاہے ہم دیکھ سکیں یا نہیں، نور موجود رہتا ہے۔ یہ تو اس صلوات کی بات تھی کہ جو اللہ تعالی کی طرف سے آتی ہے۔ آگے چل کر ہم مزید وضاحت کریں گے کہ ہر چیز میں ایک نور ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک نیک شخص نے کہ جو آیت اللہ انصاری ہمدانیؒ کی روحانی ہدایات پر عمل کرتا تھا، اس کو عجیب مشاہدہ ہوا کہ اس نے نور دیکھا۔ چونکہ وہ بالکل نو وارد تھا اور اس کو اس سے پہلے تجربہ بھی نہیں تھا، تو یہ سمجھ بیٹھا کہ یہ خدا کا نور ہے۔ آیت اللہ نے اس سے کہا کہ یہ نور اللہ سبحانہ کا نہیں ہے، بلکہ یہ نور وضو کا ہے۔ وضو میں بھی نور ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

اَنَّ الْوُضُوْءَ عَلَی الْوُضُوْءِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔

ایک وضو پر دوسرا وضو، ایک نور پر دوسرا نور ہے۔[1]

جو پانی وضو کیلئے استعمال کیا جاتا ہے وہ دیگر عام پانی سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ پانی نل سے آپ تک پہنچتا ہے تو اس میں کوئی نور نہیں ہوتا، لیکن اسی پانی کو جب آپ وضو کیلئے چہرے پر یا ہاتھوں پر استعمال کرتے ہیں تو اسی پانی میں ایک نور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وضو کے دوران اسی وضو والے پانی کے ساتھ ہی مسح کیا جانا چاہیے۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمانوں کو اس بات کا بڑا شوق ہوتا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو والے پانی کے قطرے حاصل کریں۔ اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ اب یہ پانی کے قطرے وہ عام پانی نہیں رہے، بلکہ تبدیل ہو چکے ہیں۔ یہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کی بات تھی۔ توضیح المسائل میں بھی ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ وضو کے بعد وضو کے پانی کو چہرے اور

---

[1] من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۱، ص ۴۱۔

ہاتھوں سے نہیں پونچھنا چاہیے، بلکہ وضو کے پانی کے قطرات کو باقی رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ قطرات انوار ہیں، یہ عام پانی کے قطرات نہیں ہیں۔ پس جو عمل بھی بجا لاتے ہیں وہ اسلام اور خداوند کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ ہر واجب اور مستحب عمل کا اپنا نور ہوتا ہے۔ ہم اس نور کے بارے میں بھی بات کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

اب ہم دوبارہ سورۂ احزاب کی آیت کا دوبارہ مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کی ابتدا میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾﴾

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔[1]

ممکن ہے کہ کوئی شخص سوال کرے: آیہ مجیدہ میں موجود "ذکر کثیر" کتنی بار کو شامل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کثیر کہتا ہے تو اس سے ۵ یا ۱۰ مرتبہ مراد نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر آپ کے بس میں ہے۔ ایک روایت میں کہ جس کو ہم بعد میں ذکر کریں گے آیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی مقدار معین کر دی ہے۔ بطور مثال واجب نمازوں کی تعداد ۱۷ رکعت ہے۔ یومیہ نوافل کی مقدار ۳۴ رکعت ہے۔ ماہ مبارک رمضان کے روزے ۳۰ دن فرض ہیں۔ زندگی میں حج ایک مرتبہ واجب ہے۔ لیکن خداوند کے ذکر کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾

جو لوگ اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے خداوند کو یاد کرتے ہیں۔[2]

وہ اللہ کے ذکر کو ہر حال میں یاد رکھتے ہیں۔ نہ اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے، نہ ہی وقت کے اعتبار سے اس کا کوئی اندازہ معین ہے اور نہ ہی مقام کے اعتبار سے اس کی کوئی حد ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی باتھ روم میں بھی ہو تو شاید اسے شرم محسوس ہو کہ اللہ کا ذکر کرے، لیکن یہ بات اسے یاد رکھنی چاہیے کہ جس بات پر اس کو بہت زیادہ شرمندہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ خداوند کی یاد کو بھول جائے۔ پس ہر حال میں ہمیں اللہ کو یاد رکھنا ہے، چاہے ہم جس حال میں بھی ہوں اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۴۱۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۱۔

اب ہم پھر واپس سورۂ احزاب کی طرف لوٹتے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں ہم یوں پڑھتے ہیں:

﴿وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝٤٢﴾

اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو۔[1]

صبح وشام دونوں دن کے اہم حصے ہوتے ہیں۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دن کے باقی حصے کو فراموش کر دیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن کے دو اہم حصے یعنی دن کی ابتدا اور دن کی انتہا ہے۔ یہ دونوں حصے دن کے ستون ہیں۔ ان میں خاص طور پر اللہ تعالی کے ذکر کی کوشش کرنی چاہیے۔

عظیم مفسر قرآن، علامہ طباطبائیؒ یہاں پر ایک خوبصورت نکتہ بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمیں یہ فرما رہا ہے کہ ہم اس کا ذکر کریں، جتنا بھی کر سکتے ہیں، پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود وسلام حاصل ہوگا اور پھر خدا آپ کو تاریکی سے نور کی طرف لے جائے گا۔ پس اللہ کے درود وسلام کو حاصل کرنے میں ذکر الٰہی کا بنیادی کردار ہے۔ میرا یہاں ایک بہت بڑا دعویٰ ہے اور وہ یہ کہ میں سمجھتا ہوں ہر حاصل ہونے والا نور، وہ نور نہیں کہ جو ہمیں پیدائش سے حاصل ہوتا ہے۔ پس ذکر الٰہی کا نور مختلف ہوتا ہے۔ ایمان کا نور، نماز کا نور، روزے کا نور اور وضو کا نور۔ دوسرے لفظوں میں، آپ چاہے جس قسم کے نور کا تصور بھی کریں، اسے ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ ذکر الٰہی سے بھی مراد یہی ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِذِكْرِيٓ ۝١٤﴾

اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔[2]

﴿إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ﴾

اور نماز قائم کریں کہ نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی شے ہے۔[3]

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۴۲۔

[2] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۴۔

[3] سورۂ عنکبوت، آیت ۴۵۔

ہم اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے قرآن اور حدیث سے دلائل پیش کریں گے کہ جو نور بھی ہم حاصل کرتے ہیں وہ اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ دُعائے کمیل میں کہتے ہیں:

اَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ بِذِكْرِكَ۔

(پروردگارا!) میں تیرے ذکر کے ذریعہ تیرا تقرب چاہتا ہوں۔[1]

دوسری جانب ہر قسم کے نور کے نقصان کی وجہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو فراموش کرنا ہے۔ پس یہ بہت آسان ہے۔ یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔آپ کو اس کے لئے سینکڑوں کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس آپ کوشش کریں کہ جتنا بھی ممکن ہو اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور جس قدر بھی ممکن ہو خداوند کو بھلانا نہیں ہے۔ یہ ذکر ایک خاص ذکر ہے۔آپ اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے اور پھر اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو ہر اس چیز میں ضرور یاد رکھیں کہ جس کے انجام دینے کا حکم دیا ہے اور جس چیز کو انجام نہ دینے کا بھی حکم دیا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کو جس قدر بھی ممکن ہو یاد رکھنے کی کوشش کریں تو یہ خود بخود ہمیں بدل دے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم اللہ کی یاد میں ہوں اور اس کی نافرمانی کریں، البتہ اگر ہم جان لیں کہ اللہ کون ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کسی کو یاد بھی کرتے ہوں کہ آپ اسے دوست رکھتے ہیں اور ساتھ کوئی ایسا کام بھی انجام دیں کہ جو اسے ناپسند ہو؟ یہ ناممکن ہے۔ یہاں تک کہ اگر آپ کسی کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور آپ کو یقین نہیں کہ اس کو یہ چیز اچھی لگتی ہوگی، لیکن چونکہ آپ کو لگتا ہے کہ اس کو آپ کا یہ کام اچھا لگے گا، آپ اسے انجام دے دیتے ہیں، چہ جائیکہ آپ کو اگر علم ہو کہ اس کو یہ کام اچھا لگتا ہے۔

ہم اس نور کے بارے میں اور اس نور کے مآخذ کے متعلق بعد میں بیان کریں گے۔ اسی طرح ذکر الٰہی اور نمازوں میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ یاد خدا اور فکر میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ ذکر الٰہی اور حمد وثنا میں کیا فرق ہے؟

اصل چیز یہ ہے کہ ہم تمرین کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ کوشش کر کے ہم سب کے ذکر الٰہی کو

---

[1] مفاتیح الجنان، دعائے کمیل۔

بڑھائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی ذات مدد کرے گی اور سہارا فراہم کرے گی ہر اس شخص کو کہ جو اللہ تعالٰی کی ذات کو یاد رکھتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ﴾

پس تم ہم کو یاد کرو تا کہ ہم تمہیں یاد رکھیں۔[1]

اگر آپ خداوند کی ذات کو یاد رکھیں گے تو وہ بھی آپ کو خاص طریقے سے یاد رکھے گی۔ یہ ذکر بڑا ہی خاص ذکر ہوتا ہے: قرآن مجید بھی ہمیں یہی کہہ رہا ہے:

﴿نَسُوا اللهَ فَنَسِيَهُمْ﴾

انہوں نے اللہ کو بھلایا تو اللہ نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔[2]

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ہم بھول جائیں، تو اس کی ذات بھی ہمیں مکمل طور پر بھول جائے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی ذات کی خاص توجہ، حمایت اور مدد سے محروم ہو جائیں گے۔

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲۔

[2] سورۂ توبہ، آیت ٦٧۔

صحیفۂ سجادیہ میں تربیتِ اولاد کے نقوش

حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی
(اوسلو، ناروے)

''شخصیت اور کارنامے'' کے حوالے سے ''شیخ مفیدؒ کانفرنس'' ۱۹۹۲ء میں قم المقدسہ، ایران میں بڑے اہتمام اور عظمت کے ساتھ منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں دنیا بھر کے بڑے بڑے علماء، دانشور، اہل قلم وخطباء کا جمع غفیر نظر آیا۔ اس عظیم علمی اور مذہبی کانفرنس میں شرکت کے بعد معلومات میں جہاں اضافہ ہوا، وہاں یہ احساس بھی ہوا کہ شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت سے ہم لوگ اب تک کتنا غافل تھے۔ پہلے دن افتتاحی اور علمی ومفید تقاریر کے بعد جب دوسرے دن تمام مہمانوں کو الگ الگ کمیشنوں میں شرکت کیلئے کہا گیا تو میں ''شیخ مفید اور ولایتِ فقیہ'' کمیشن کے ہال میں چلا گیا، تاکہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے ساتھ ''کتابِ سلمان رشدی ملعون'' کے خلاف حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی روشنی میں اُٹھنے والے سوالات کے جوابات حاصل کرسکوں۔

اُس زمانے میں ناروے کے علاوہ یورپ اور پوری دنیا میں یہ موضوع بڑا ہی گرم تھا۔ مرحوم آیت اللہ آذری قمی، آیت اللہ سیّد محمود شاہرودی، آیت اللہ سیّد موسوی مرحوم (حجۃ الاسلام سیّد حسن خمینی کے خسر) وغیرہ اور دیگر بڑی بڑی شخصیتوں میں ایک کمسن طالبعلم وہاں میں ہی تھا۔ اُس بڑی بزم میں ناروے میں بعض اٹھنے والے سوالات بھی میں نے کئے اور جوابات کے ساتھ کئی دوسری شقوں سے بھی استفادہ کیا۔ پھر ایک گھنٹہ کے بعد پھر میں ''شیخ مفید اور صحیفۂ سجادیہ'' کمیشن کے ہال کی طرف تیزی سے روانہ ہوگیا، چونکہ ہر ایک کو اپنی دلچسپی اور خواہش کے مطابق بھی کانفرنس کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا تھا۔

''شیخ مفید اور صحیفۂ سجادیہ'' کمیشن میں تو دنیا ہی عجیب نظر آئی۔ جہاں برادران اہلسنت (عرب) کے علاوہ کچھ لبنانی عیسائی دانشور بھی دکھائی دیئے۔ سیّد الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شخصیت اور ان کی دُعاؤں کے مجموعہ ''صحیفۂ سجادیہ'' یا ''زبورِ آلِ محمدؐ'' یا انجیل اہلبیتؑ'' پر غیروں کے بیانات و تبصرے، مقالات و مضامین نے مجھے حیران کر دیا۔ وہیں یہ بھی پتہ چلا کہ لبنان کی ایک عیسائی خاتون نے ''صحیفۂ سجادیہ'' پر ڈاکٹریٹ (Phd) بھی کیا ہے اور مزید یہ کہ اسی کتاب کی برکات سے وہ شیعہ بھی ہو گئیں ہیں۔

حقیقتِ امر یہ ہے کہ حضرات آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے فرامین، احادیث، اقوال اور خطبات کے ساتھ ساتھ دُعاؤں کو اگر صحیح طور سے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو دنیا کے لوگ انہیں سننے، سمجھنے اور قبول کرنے کو تیار ہوں گے۔ چنانچہ عبدالسلام ہرویؒ سے مروی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

رَحِمَ اللهُ عَبْدًا اَحْيَا اَمْرَنَا. فَقُلْتُ لَهُ: وَ كَيْفَ يُحْيِيْ اَمْرَكُمْ؟ قَالَ: يَتَعَلَّمُ عُلُوْمَنَا وَ يُعَلِّمُهَا النَّاسَ. فَاِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوْا مَحَاسِنَ كَلَامِنَا لَاتَّبَعُوْنَا۔

اللہ رحم فرمائے اس بندۂ خدا پر جو ہمارے امور کو زندہ کرے۔ میں نے عرض کی: (مولا!) وہ کیسے زندہ کرے؟۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ ہمارے علوم کو سیکھے اور لوگوں کو سکھائے۔ اس لئے کہ دنیا کے لوگ اگر ہمارے خوبصورت کلام کو جانیں تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔[1]

آج شدت کے ساتھ ضرورت ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ ''نہج البلاغہ'' اور ''صحیفۂ سجادیہ'' پر زیادہ سے زیادہ کام کیا جائے۔ امام سجاد علیہ السلام نے واقعۂ کربلا کے بعد پینتیس (۳۵) سال کی خاموش زندگی میں دُعاؤں، مناجات اور آنسوؤں کے ذریعہ اسلام کی جو خدمات انجام دی ہیں اس کی نظیر دوسرے زمانوں میں نہیں ملتی ہیں۔ یہ ایک خاص طریقۂ تبلیغ اور بے مثل رَوِش تھی جو امام علیہ السلام نے اختیار فرمائی تھی۔ دادا نے خطبات سے ''نہج البلاغہ'' کی تخلیق کی تو پوتے نے ''صحیفۂ سجادیہ'' کی صورت میں دُعاؤں اور مناجات کے ذریعہ اسلام کو عظیم خزانہ سے نوازا۔ ''دونوں معصوموں'' کا نظریہ، دین خدا کی حفاظت اور

[1] بحار الانوار، ج ۲، ص ۳۰۔

اصلاحِ امت تھا۔صرف طریقۂ تبلیغ اور اسلوبِ خطاب بدلے ہوئے تھے۔

انسانی جسم کو جس طرح غذا، لباس اور رہائش کیلئے گھر کی ضرورت ہے، ٹھیک اسی طرح اس کی روح اور جان کو تعلیم و تربیت اور اخلاق کی ضرورت ہے۔ جو شخص اپنے مقصدِ حیات سے آگاہ نہ ہو اور جسے اپنی پرورش کے طریقے معلوم نہ ہوں، جو بہترین خصلتوں یا نیک عادتوں کی اطلاع نہ رکھتا ہو اور اُسے بری باتوں اور بد کرداری کی نشاندہی نہ کی گئی ہو، ظاہری طور سے وہ شخص جسمِ آدمی تو رکھتا ہے مگر ''کاروانِ آدمیت'' سے میلوں اور کوسوں دور ہے۔ تزکیۂ نفس اور روحانی تہذیب و تربیت کے مراحل سے گزر کر ہی وہ صحیح انسان بن سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی بعثت اور اُن کے کاموں کو گنوایا ہے تو تلاوتِ آیات اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے ساتھ ''تزکیۂ نفس'' کا ذکر کیا ہے۔

ارشادِ رب العزت ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝٢﴾

وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔[1]

یقیناً آیاتِ الٰہی سننے کے بعد جب تک آئینۂ قلب پر سے غبارِ پلیدگی نہ ہٹے تو کتاب و حکمت کے عکس کی چھاپ کیونکر پڑ سکتی ہے۔ اسی لئے حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے مقصدِ بعثت کو اسی طرح عنوان فرمایا اور یوں گویا ہوئے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

میں مکارمِ اخلاق کو مکمل کرنے کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔[2]

یہی فلسفۂ بعثتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہے اور یہی مقصدِ حیات ہے۔

---

[1] سورۂ جمعہ، آیت ۲۔

[2] اخلاق و تعلیم و تربیت اسلامی، ص ۱۷، بحوالہ تحف العقول، ص ۲۲۴۔

سماجی زندگی میں جو اخلاقی چیزیں منافعِ مادی اور زندگی کی فلاح کی باتوں سے منسوب ہوں: جیسے جسم ولباس کی صفائی وطہارت، خوشروئی اور مسکراہٹ، لوگوں کا احترام، بات کرنے کا بہترین طریقہ، غیبت وغرور سے دوری، بیماروں کی عیادت وغیرہ، یہ ساری باتیں ''محاسنِ اخلاق'' میں آتی ہیں، لیکن روح کی بالیدگی اور بلندی کیلئے وہ اخلاقیات جس سے فضائل اکٹھا ہوں اور وفائے عہد، امانت، صداقت اور عدالت کے ساتھ ایثار ومواسات کا سلسلہ ہو، انہیں ''مکارم اخلاق'' میں شمار کیا جاتا ہے۔

''محاسنِ اخلاق'' تقریباً ہر آدمی کیلئے ممکن اور میسّر ہیں۔ اس لئے کہ اس میں تھوڑی سی محنت، مشقت، ریاضت اور اپنے آپ کو کنٹرول رکھنا ہوتا ہے، لیکن ''مکارمِ اخلاق'' حاصل کرنے میں عالی خصلتوں کو جمع کرنا قدرے دشوار کام ہے۔ وہ لوگ جو اس درجہ پر فائز اور کامیاب ہوئے ہیں انہوں نے بڑی ہی سختی کے ساتھ اپنی خواہشاتِ نفس پر قابو پایا ہے۔ ان کی روحیں بڑی بلند وبالا تھیں۔ اس میں صرف اور صرف ارادۂ خدا اور اصول انسانی کے مکمل احترام کے علاوہ کوئی اور مقصود یا مطمحِ نظر نہیں تھا۔

لفظِ ''تربیت'' کا اصلی مادّہ عربی کے لفظ ''ربب'' سے ہے جس کا معنی ومطلب ''رُشد اور پرورش'' ہے۔ راغب اصفہانی نے اپنی مفردات میں اس کی یوں تعریف کی ہے:

وَهُوَ اِنْشَآءُ الشَّیْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ۔

کسی چیز کو (بتدریج) ایک حال سے دوسرے حال میں لے جا کر حدِّ کمال تک پہنچا دینا ''تربیت'' کہلاتا ہے۔[1]

قدرت وفطرت کے تقاضوں کی بنیاد پر تمام جانور اور حیوانات اپنی ولادت کے بعد کسی تربیت کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ اپنے ممکنہ کمالات کی طرف خود پہنچتے ہیں۔ مچھلی کا بچہ خود پانی میں تیرتا ہے۔ اسے کوئی تیرنا نہیں سکھاتا۔ ہوا میں اُڑنے والے پرندے خود اُڑنا سیکھ جاتے ہیں۔ شہد کی مکھی بھی اسی طرح تمام کاموں کو منظم طریقہ سے خود کرتی ہے۔ مگر انسان کو اپنے تمام کاموں کو انجام دینے کیلئے اور اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کیلئے صرف فطری تقاضے کافی نہیں ہوتے۔ اسے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی معلم اور مربی

---

[1] مفردات القرآن، ص ۱۸۴۔

ہو۔ اس لئے کہ آدمی کو حقائقِ ہستی جاننے واَسرارِ خلقتِ کائنات سمجھنے اور رموزِ حیات کے سلسلوں سے آگاہی کیلئے بغیر کسی کے بتائے ''خیر وشر'' میں تمیز اور اچھے و برے میں فرق کی صلاحیت واستعداد خود بخود میں نہیں ہے۔ جسمانی وروحانی صفات واستعداد کی پرورش کیلئے اور کمالات کے درجہ پر قدم رکھنے کی خاطر بہر حال معلم و مربی کی حاجت انسان میں پائی جاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اسی تعلیم وتربیت اور انسانی پرورش کیلئے انبیاء ومرسلین اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کا زریں سلسلہ ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس سلسلے میں آیات ہیں اور اس کے بعد نہج البلاغہ کے خطبات، کلمات قصار وغیرہ میں بھی تربیتی نقوش پائے جاتے ہیں۔

پیروان اہلبیتؑ کو ''صحیفہ سجادیہ'' یا ''زبور آل محمدؐ'' کی دُعاؤں اور مناجات کے ذریعہ تربیت کا انوکھا خزانہ ملا ہے۔ جس پر ہم جتنا بھی شکرِ خدا کریں، کم ہے۔ اس کتاب کے بارے میں اپنوں کے علاوہ غیروں نے صفحات کے صفحات قلمبند کر کے اپنی فضیلت شاید بڑھائی ہے اور اپنا ہی نام کمایا ہے۔ ورنہ وہ تو خود ایک الہامی، توحیدی، عقیدتی، فکری، علمی وتعلیمی اور تربیتی کتاب ہے، جس کے حقائق تک دنیا اب تک نہیں پہنچ سکی ہے۔

اس عظیم کتاب میں ''اولاد کی تربیت'' کے موضوع پر دُعا نمبر چوبیس (۲۴) جو والدین کے حق میں دُعا کرنے کے بارے میں ہے، اسی دُعا کے بعض جملات اور الفاظ سے تربیتی نکات اخذ کئے جا سکتے ہے۔ البتہ اسی کتاب کی ایک اور دُعا (دُعا نمبر ۲۵) جو اولاد کے حق میں دُعا کرنے کے طریقے سے متعلق ہے اور دیگر دعاؤں میں بھی تربیتی پہلو موجود ہیں جن کی طرف آئندہ سطور میں اشارہ ہو رہا ہے۔

صحیفہ سجادیہ کی دُعا نمبر ۲۴ میں تربیتی نکات:

ا۔ والدین کی عظمت کا اقرار:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَهَابُهُمَا هَيْبَةَ السُّلْطَانِ الْعَسُوْفِ، وَ اَبَرُّهُمَا بِرَّ الْاُمِّ الرَّءُوْفِ، وَ اجْعَلْ طَاعَتِيْ لِوَالِدَيَّ وَ بِرِّيْ بِهِمَا اَقَرَّ لِعَيْنِيْ مِنْ رَقْدَةِ الْوَسْنَانِ۔

اے میرے اللہ! مجھے (میرے والدین کے حق میں) ایسا بنا دے کہ میں اُن دونوں سے اس طرح ڈروں جس طرح سے کسی جابر بادشاہ سے ڈرا جاتا ہے اور اس طرح ان کے حال پر شفقت و مہربانی سے پیش آؤں جیسے مہربان ماں محبت سے پیش آتی ہے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور بہترین سلوک کے ساتھ پیش آنے کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دے۔

دُعا کے اس حصے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دُعا کرتے ہوئے یوں تربیت فرمائی کہ ہر بیٹا یا بیٹی اپنے والدین کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی حق شناسی اس طرح سے کرے کہ احترامِ والدین میں کوئی غلطی یا جسارت نہ ہونے پائے اور ایک طرح کا ایسا خوف بھی دل میں رہے، جیسے کہ بادشاہوں کے سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان کے ساتھ ہمارا برتاؤ اور سلوک ایسا رہے جیسے ایک بہترین مہربان ماں اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ محبت سے پیش آتی ہے۔

۲۔ طریقۂ گفتگو اور نرم چال چلن و بہترین سلوک:

اَللّٰهُمَّ خَفِّضْ لَهُمَا صَوْتِيْ، وَ اَطِبْ لَهُمَا كَلَامِيْ، وَ اَلِنْ لَهُمَا عَرِيْكَتِيْ، وَ اعْطِفْ عَلَيْهِمَا قَلْبِيْ، وَ صَيِّرْنِيْ بِهِمَا رَفِيْقًا، وَ عَلَيْهِمَا شَفِيْقًا۔

اے میرے پروردگار! میری آواز کو ان کے سامنے آہستہ، میری باتوں کو ان کیلئے خوشگوار، میری طبیعت کو ان کیلئے نرم اور میرے دل کو مہربان بنا دے اور مجھے ان کے ساتھ نرمی و مہربانی سے پیش آنے والا قرار دے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام کا یہ جملہ دراصل سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیہ مجیدہ کی روشنی میں ہے:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝﴾

(خبردار!) والدین کو اُف تک بھی نہ کہنا اور نہ ہی انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب کے ساتھ بات کرنا۔[1]

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۳۔

امام علیہ السلام کا یہ دُعائیہ انداز اور یہ جملہ بڑا ہی پُراثر ہے جس میں اولاد اپنے ربّ سے گڑگڑا کر التجا کر رہی ہے کہ: میرے پروردگار! تو ہی میرے لب ولہجہ کو ایسا معتدل بنا دے کہ میں ان کے سامنے صحیح طریقہ سے بات چیت کروں۔ کہیں گستاخی نہ ہو اور نہ ہی بے ادبی۔ ان کے ساتھ ہمیشہ مہر ومحبت اور شفقت کے ساتھ میں پیش آؤں۔

۳۔ فرضِ منصبی اور سپاس وتشکر:

اَللّٰھُمَّ اشْکُرْ لَھُمَا تَرْبِیَتِیْ، وَ اَثِبْھُمَا عَلٰی تَکْرِمَتِیْ، وَ احْفَظْ لَھُمَا مَا حَفِظَاہُ مِنِّیْ فِیْ صِغَرِیْ۔

اے منعمِ حقیقی! (میرے والدین کو) میری پرورش کی جزائے خیر دے اور جس طرح انہوں نے میری نگہداشت کی ہے، اس عمدہ سلوک کے بدلے انہیں اجر و ثواب عطا فرما اور جس طرح انہوں نے میری کم سنی میں میری حفاظت کی ہے، تو خود ان کو اپنی پناہ میں محفوظ فرما۔

ہر نعمت پر شکر کرنا انسانی فریضہ ہے۔ انسان کیلئے والدین نعمت الٰہی ہیں اور پھر یہ نعمت ایسی ہے جس میں ہماری تعلیم وتربیت اور حفاظت بھی تھی۔ والدین کی اپنی تمام خواہشیں اور ترجیحات بھی اولاد کیلئے تھیں۔ پس اولاد کو چاہیے کہ ایسا بنے کہ ہمیشہ ان کی خدمات میں کوئی فروگزاشت نہ ہونے پائے، کوئی حق تلفی نہ ہونے پائے اور نہ ہی کوئی ناگوار صورت پیش آئے۔

۴۔ خیالِ حقوق اور قدر شناسی:

یَا رَبِّ! فَھُمَا اَوْجَبُ حَقًّا عَلَیَّ، وَ اَقْدَمُ اِحْسَانًا اِلَیَّ، وَ اَعْظَمُ مِنَّۃً لَدَیَّ مِنْ اَنْ اُقَاصَّھُمَا بِعَدْلٍ، اَوْ اُجَازِیَھُمَا عَلٰی مِثْلٍ۔

اے میرے پروردگار! اُن کے حقوق میرے اوپر واجب ولازم ہیں۔ ان کے احسانات دیرینہ ہیں۔ ان دونوں کے انعامات قدیم وعظیم ہیں۔ وہ اس سے کہیں بالاتر ہیں کہ میں ان کو برابر کا بدلہ دے سکوں۔ ایسا کیونکر ممکن ہے کہ ان کے کارناموں کا کچھ عوض دیا جاسکے۔

صحیفۂ سجادیہ کی اس دُعا میں یہ فقرات اولاد کو جھنجھوڑتے ہیں کہ والدین کی کہاں برابری ہوسکتی ہے اوران کے کئے کا بدلہ ممکن ہی نہیں، چہ جائیکہ ان کا میرے لئے رنج اٹھانا اور میری وجہ سے تکلیف میں پڑنا خود ایک دعوتِ فکر ہے کہ ان کے کیا حقوق ہیں۔

۴۔عاق اور نافرمان ہونے سے پناہ:

(اَللّٰھُمَّ) وَ لَا تَجْعَلْنِیْ فِیْٓ اَھْلِ الْعُقُوْقِ لِلْاٰبَآءِ وَ الْاُمَّھَاتِ یَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ وَ ھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔

اے میرے اللہ! مجھے (قیامت کے دن) ان لوگوں میں سے قرار نہ دینا جو اپنے ماں باپ کے عاق و نافرمانبردار ہوجاتے ہیں۔جس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہوگی۔

روایات کی روشنی میں ''عاقِ والدین''، جنت کی خوشبو کبھی بھی نہ پا سکے گا۔ان دُعائیہ جملوں میں اولاد کو خبردار کیا جارہا ہے کہ ہوشیار رہو کہ کہیں تم اپنے اعمال و کردار اور چال چلن سے عاق نہ ہوجاؤ، چاہے والدین زندہ ہوں یا مرجائیں۔اس لئے زندگی وموت دونوں حالتوں میں والدین کی خدمت یا ایصالِ ثواب کا مسلسل سلسلہ رہنا چاہیے۔

۵۔اُن کی یاد ہمیشہ اور مغفرت کی دائمی دُعا:

اَللّٰھُمَّ لَا تُنْسِنِیْ ذِکْرَھُمَا فِیْٓ اَدْبَارِ صَلَوَاتِیْ، وَ فِیْٓ اِنًی مِّنْ اٰنَآءِ لَیْلِیْ، وَ فِیْ کُلِّ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِ نَھَارِیْ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اغْفِرْ لِیْ بِدُعَآئِیْ لَھُمَا، وَ اغْفِرْ لَھُمَا بِبِرِّھِمَا بِیْ مَغْفِرَةً حَتْمًا، وَ ارْضَ عَنْھُمَا بِشَفَاعَتِیْ لَھُمَا رِضًی عَزْمًا، وَ بَلِّغْھُمَا بِالْکَرَامَةِ مَوَاطِنَ السَّلَامَةِ۔

اے میرے معبود! تمام نمازوں کے بعد، رات کے اوقات اور دن کے تمام لمحات میں کسی بھی وقت (مجھ سے میرے والدین) کی یاد کو فراموش نہ ہونے دے۔

اے اللہ! حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام پر رحمت نازل فرما اور مجھے اُن (والدین) کے حق میں دُعا کرنے کی وجہ سے بخش دے اور میری سفارش کی وجہ سے لازمی طور

سے (اُن سے) راضی ہو اور انہیں عزت و آبرو کے ساتھ سلامتی کی منزلوں پر پہنچا دے۔

صحیفۂ سجادیہ کی دُعا نمبر ۲۵ میں اولاد کی تربیت کے اعلیٰ نقوش:

''زبور آل محمدؑ یا انجیل اہلبیتؑ'' یعنی صحیفہ سجادیہ کی دعا نمبر ۲۵ جو اولاد کے حق میں دُعا کرنے سے متعلق ہے، اس دُعا کے جملات اور الفاظ سے تربیتی پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

ا۔ زندگی کی بقا اور اصلاح و منفعت:

اَللّٰھُمَّ وَ مُنَّ عَلَیَّ بِبَقَآءِ وُلْدِیْ وَ بِاِصْلَاحِھِمْ لِیْ وَ بِاِمْتَاعِیْ بِھِمْ.
اِلٰھِی امْدُدْ لِیْ فِیْٓ اَعْمَارِھِمْ. وَزِدْ لِیْ فِیْٓ اٰجَالِھِمْ۔

اے میرے اللہ! میری اولاد کو باقی رکھ کر، انہیں میرے لئے نیک و صالح اور مفید و فائدہ مند بنا کر مجھ پر احسان فرما۔ اے میرے معبود! ان کی زندگی کو میری مدد کا ذریعہ قرار دے اور ان کی موت کو میری آخرت کا ذخیرہ بنا دے۔

دُعا کے اس جملے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دُعائیہ انداز میں والدین کی خواہش کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ہر والدین کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ میرا بچہ طولانی زندگی پائے اور اس کی اصلاح ہو جو میرے نام کو باقی رکھنے میں بھی مددگار ہو۔ چنانچہ ''اولادِ صالح'' جو حدیث کی روشنی میں صدقۂ جاریہ ہوتی ہے شاید لفظ ''بقا'' اور ''اصلاح'' میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اپنی اولاد (چاہے بیٹا ہو یا بیٹی) کی اصلاح کا خاص خیال رہتا ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ اس کے بچے بگڑ جائیں۔ بچوں کے حق میں والدین کی دُعائیں بہت مؤثر واقع ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو چاہیے کہ تربیت میں دُعاؤں کا بھی سہارا لے۔

۲۔ بچوں کے قوی ہونے اور پرورش کی تمنا:

(اَللّٰھُمَّ) ۔۔۔ وَرَبِّ لِیْ صَغِیْرَھُمْ. وَقَوِّ لِیْ ضَعِیْفَھُمْ. ۔

(خدایا!) میری چھوٹی اولاد کی پرورش فرما اور میری خاطر ان کمزوروں کو قوت عطا فرما دے۔

ربّ العالمین سے ہر بندہ کی دُعا ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کی صحیح پرورش ہو اور وہ قوی و توانا ہوں۔ جب ایسا ہوگا تو وہ ہر مرحلہ میں کامیاب ہوں گے اور کام آئیں گے۔ جب بچے اچھے اور صالح ہوتے ہیں تو وہ والدین کیلئے دنیا و آخرت میں ہر جگہ کام آتے ہیں۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ﴾

تم ہم سے مانگو، ہم عطا کریں گے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ ''دُعا'' کا ''اثر'' کے ساتھ ہمیشہ رابطہ رہا ہے۔

۳۔ جسم و دین اور اخلاق کی عافیت:

(اَللّٰھُمَّ)۔۔۔ وَ اَصِحَّ لِیۡ اَبۡدَانَھُمۡ وَ اَدۡیَانَھُمۡ وَ اَخۡلَاقَھُمۡ، وَ عَافِھِمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِھِمۡ وَ فِیۡ جَوَارِحِھِمۡ وَ فِیۡ کُلِّ مَا عُنِیۡتُ بِہٖ مِنۡ اَمۡرِھِمۡ۔

(بارِالٰہا!) اور میرے بچوں کے جسم کو صحت عطا فرما۔ ان کے دین کی سلامتی ہو اور اخلاق کو اور خود ان کو (ہر طرح کی) عافیت ہو۔ ہر ایک کام میں، جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں، اُن کی جانوں اور اعضاء و جوارح میں ہر طرح کی عافیت ہو۔

بچوں کے حق میں والدین کی خواہش جسم کے صحیح و سالم ہونے کی پہلی دُعا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ دین و اخلاق اور خصائل کی صحت و سلامتی اور عافیت کی بھی آرزو رہتی ہے۔ اس لئے کہ جب جسم صحیح و سالم ہوگا تو بچے عبادت خدا بھی کر سکیں گے اور رزق حلال بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ کوئی بیمار انسان صحیح طور سے بندگی بھی نہیں کر پاتا اور نہ ہی کمائی کا ارادہ کر سکتا ہے۔ جب بندہ بارگاہِ ربّ میں آکر کچھ طلب کرے تو جہاں اولاد کی جسمانی کیفیت کیلئے دُعا کرتا ہے، وہاں سے ان کے دین اور اخلاق کو ہر برے کام سے محفوظ رہنے کی بھی دُعا کرنی چاہیے۔ خالق اپنی مخلوق و بندہ کی ہر بات سنتا اور قبول کرتا ہے۔

---

[1] سورۂ غافر، آیت ۶۰۔

۴۔رزق میں وسعت:

(اَللّٰھُمَّ)۔۔۔ وَاَدْرِرْ لِیْ وَعَلٰی یَدِیْ اَرْزَاقَھُمْ۔۔

(اے میرے پروردگار!) میرے لئے اور میرے فرزندوں کیلئے میرے ہاتھ پر ان کے رزق کو وسیع فرما۔

رزقِ حلال کمانے کی تاکید دین اسلام میں بے حد بہت زیادہ ہے۔ کسی بھی مسلمان کیلئے شایانِ شان نہیں کہ وہ حرام رزق کی طرف جائے اور اسے حاصل کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے یا کرتا ہے تو وہ روزِ قیامت خود جواب دہ ہوگا۔ دیندار والدین جہاں خود بھی رزق حلال کماتے ہیں تو وہ اپنی اولاد کیلئے بھی وہی خواہاں ہوتے ہیں کہ ان کے پیٹ میں صحیح غذا جائے اور درست پیسے کی کمائی سے ہی زندگی بسر ہو۔ یہ امام سجاد علیہ السلام کا دُعا کے انداز میں طرز تربیت ہے۔

۵۔نیک اور متقی ہونے کی طلب:

(اَللّٰھُمَّ)۔۔۔ وَاجْعَلْھُمْ اَبْرَارًا اَتْقِیَآءَ بُصَرَآءَ سَامِعِیْنَ۔

(اے میرے معبود!) اس بندہ کی اولاد کو نیک بنا، انہیں تقویٰ کے زیور سے آراستہ فرما اور انہیں ایسا نیک بنا کہ وہ صاحبانِ عقل وفہم ہوں اور بات کے سننے والے ہوں۔

ہر دیندار مومن اپنی اولاد کیلئے ہمیشہ یہی سوچتا ہے کہ میرے بچے، نیک، صالح، باایمان اور پرہیزگار ہوں۔ اس دُعائیہ جملے میں حضرت امام سجاد علیہ السلام رب سے یہی چیز مانگنے کا اشارہ کر رہے ہیں۔ اولاد جب گناہوں سے دور ہوگی تو وہ متقی بنے گی اور بصارت وبصیرت اور عقل وفہم کے ساتھ ساتھ باتوں کو سننے والی بھی ہوگی۔ والدین کے یہ سارے ارادے مستقبل کیلئے ہیں کہ ہر مرحلہ میں عافیت ہی عافیت رہے۔ ''بارِ الٰہا، معبودا!، پروردگارا! خدایا!، کریما! ہم سب کو ایسی اولاد بنا جیسا کہ امام سجاد علیہ السلام کی دُعا میں تربیت کا انداز ہے۔ آمین!

۶۔خدااوراولیائے خداسے محبت واطاعت کی درخواست:

(اَللّٰھُمَّ)۔۔۔ مُطِیۡعِیۡنَ لَکَ، وَلِاَوۡلِیَائِکَ مُحِبِّیۡنَ مُنَاصِحِیۡنَ۔

(اے میرے اللہ!) تو (میری اولاد کو) اپنا مطیع وفرمانبردار بنااور اپنے دوستوں کا دوست قرار دے اور انہیں نصیحت کرنے والا بھی بنا۔

اللہ کی محبت اپنے دلوں میں جاگزین کرنا مومن کا شعار ہے۔ چنانچہ حُبّ خدا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ بھی واضح ہے کہ جب اللہ کی محبت قلب میں آئے گی تو پھر اسی کے ساتھ ساتھ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اوران کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کی محبت بھی واجبی طور سے دل میں لانی پڑے گی۔

ارشادرب العزت ہے:

﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ﴾

(حبیب کہہ دیجئے کہ) اگرتم خداسے محبت کرتے ہوتو میرے (نبی اکرمؐ) کی فرنبرداری کروتو اللہ تم سے محبت کرے گا۔[1]

اسی کے ساتھ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ مودت ومحبت کے سلسلے میں یہ قرآنی آیت پیش فرمائی:

﴿قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی﴾

(اے رسولؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے (اپنی رسالت کا) کوئی اجر نہیں چاہتا مگر یہ کہ میرے اقربا سے مودّت ومحبت کرو۔[2]

مذکوردُعائیہ جملے کے ذریعہ اپنی اولاد کے دلوں میں خدا و اولیائے خدا کی محبت کو بسیرا کرنے کی خواہش کا اظہارایک عظیم تربیتی پہلو ہے۔

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۳۱۔

[2] سورۂ شوریٰ آیت ۲۳۔

۷۔دشمنانِ خدا سے بیزاری کا اظہار:

(اَللّٰھُمَّ)۔۔۔ وَلِجَمِیْعِ اَعْدَآئِكَ مُعَانِدِیْنَ وَ مُبْغِضِیْنَ. اٰمِیْنَ۔

(اے میرے مالک!) تو (میری اولاد کو) اپنے تمام دشمنوں کا مخالف اور کینہ رکھنے والا بنا۔آمین!

خدا کے دشمنوں سے نفرت اور بیزاری ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔خدا سے محبت کا تقاضا ہے کہ اس کے دشمن سے یقیناً بغض وکینہ رکھا جائے۔دوست کا دوست ہمیشہ دوست ہوتا ہے اور دوست کا دشمن بہرحال دشمن ہوتا ہے۔سورہ برائت کا نزول واعلان ہمیشہ بانگ دُہل قیامت تک کیلئے اظہار برائت اور دشمنی کا ثبوت ہے۔آج صفحہ ہستی پر اسرائیل کا وجود، خود ہر مسلمان کیلئے اظہار بیزاری کا کھلا پیغام ہے۔داعش اور سارے تکفیری گروہ کے ساتھ خوارج اور ناصبی سب کے سب، دشمنان خدا میں شامل ہیں۔خدا ان سے جلد انتقام لے۔آمین!

۸۔تربیتِ اولاد میں خدا سے امداد کی درخواست:

(اَللّٰھُمَّ)۔۔۔ وَ اَعِنِّیْ عَلٰی تَرْبِیَتِھِمْ وَ تَأْدِیْبِھِمْ. وَ بِرِّھِمْ۔

(بارِالٰہا!) اور میرے بچوں کی تربیت وتادیب (ادب سکھانے) میں اور اُن سے اچھے برتاؤ کرنے میں میری مدد فرما۔

سورہ حمد میں ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾: ''خدا یا ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں'' خود ایک دُعائیہ جملہ ہے۔اسی نہج پر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے انسان کو سکھایا کہ اپنی اولاد کو خوش بختی اور سعادت کے اعلیٰ درجات پر پہنچانے کیلئے خدا سے مدد مانگو اور مدد طلب کرو۔اولاد سے بے پناہ محبت کا تقاضا ہے کہ انسان ان کی دنیوی ترقی کے ساتھ ان کی دینی واخلاقی زندگی کو سنوارنے کیلئے بارگاہِ خدا میں دُعا کرے تاکہ وہ نیک وصالح اور معاشرے کے مفید افراد بن سکیں۔

✲✲✲✲✲

مولائے کائنات، علی علیہ السلام

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

- ۱۔ولادت باسعادت سے بعثت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک
- ۲۔بعثت سے ہجرتِ مدینہ تک
- ۳۔ہجرت سے رحلت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک
- ۴۔رحلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خلافت تک
- ۵۔خلافت سے شہادت تک

اس مقالے میں ہم حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی مبارک زندگی کے مذکورہ مراحل پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں گے۔ تفصیلی تحریر کا یہ مختصر مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی ذات تو وہ ذات والاصفات ہے کہ جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

مَا عَرَفَكَ يَا عَلِيُّ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَا۔

اے علیؑ! تیری معرفت کما حقہ کوئی نہیں رکھتا، سوائے اللہ کے اور میرے۔[۱]

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کی حقیقی معرفت، پروردگار عالم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی رکھتے ہیں۔ ہم لوگ اپنی ظرفیت کے مطابق اس بحر بیکراں سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بہرحال اس تحریر کا آغاز حضرت علی علیہ السلام کی ولادت سے شروع کرتے ہیں۔

---

[۱] ارشاد القلوب، ج ۲، ص ۲۰۹۔

۱-ولادت باسعادت سے بعثت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک

کعبہ میں ولادت:

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل بروز جمعہ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ آپؑ کی والدہ گرامی جناب سیّدہ فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں کہ وقت ولادت قریب آیا تو آپؑ نے دیوار کعبہ کا سہارا لیا اور یہ دُعا کی:

رَبِّ اِنِّیْ مُؤْمِنَةٌ بِكَ وَ بِمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِكَ مِنْ رُسُلٍ وَّ كُتُبٍ وَّ اِنِّیْ مُصَدِّقَةٌ بِكَلَامِ جَدِّیْ اِبْرَاهِیْمَ الْخَلِیْلِ علیہ السلام وَ اَنَّهٗ بَنَی الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ فَبِحَقِّ الَّذِیْ بَنٰی هٰذَا الْبَیْتَ وَ بِحَقِّ الْمَوْلُوْدِ الَّذِیْ فِیْ بَطْنِیْ لَمَّا یَسَّرْتَ عَلَیَّ وِلَادَتِیْ۔

اے اللہ! میں تجھ پر اور تیرے پیغمبروں پر اور جو تیری طرف سے نازل ہوا، اس پر ایمان رکھتی ہوں اور میں اپنے جدّ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے کلام پر ایمان رکھتی ہوں اور یہ کہ انہوں نے ہی اس قدیم گھر کی تعمیر نو کی۔ اے پروردگار! تجھے اس معمار کعبہ کے حق کا واسطہ اور اس مولود کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے، اس کی ولادت کو میرے لئے آسان کردے۔[۱]

اس دُعا کا کرنا تھا کہ اسی وقت دیوار کعبہ شگافتہ ہوگئی اور جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کعبہ کے اندر چلی گئیں۔ تین دن کعبہ میں آپؑ کا قیام ہوا اور وہاں حضرت علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس دوران بی بیؑ کی تواضع جنت کی غذاؤں سے ہوتی رہی۔ چوتھے دن جب اسی جگہ سے دوبارہ بی بیؑ خانہ کعبہ سے باہر آئیں تو ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا:

یَا فَاطِمَةُ! سَمِّیْهِ عَلِیًّا فَهُوَ عَلِیٌّ، وَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْاَعْلٰی یَقُوْلُ: اِنِّیْ شَقَقْتُ اسْمَهٗ مِنِ اسْمِیْ وَ اَدَّبْتُهٗ بِاَدَبِیْ وَ وَقَّفْتُهٗ عَلٰی غَامِضِ عِلْمِیْ وَ هُوَ الَّذِیْ

---

[۱] امالی شیخ صدوقؒ، ص ۱۳۲۔

يَكْسِرُ الْاَصْنَامَ فِيْ بَيْتِيْ وَ هُوَ الَّذِيْ يُؤَذِّنُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِيْ وَ يُقَدِّسُنِيْ وَ يُمَجِّدُنِيْ فَطُوْبٰى لِمَنْ اَحَبَّهُ وَ اَطَاعَهُ وَ وَيْلٌ لِمَنْ اَبْغَضَهُ وَ عَصَاهُ۔

اے فاطمہ بنت اسد! اس نومولود کا نام علیؑ رکھ دو کیوں کہ خدائے علی واعلیٰ فرماتا ہے: میں نے اس کے نام کو اپنے نام سے مختص کیا ہے اور قدرت اور عزت وجلال سے اسے خلق کیا ہے، اسے اپنے آداب حسنہ سے آراستہ کیا ہے اور اپنے مخصوص علم سے اس کو تعلیم دی ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے گھر (کعبہ) سے بتوں کو پاک کرے گا اور اس میں اذان دے گا، خوش قسمت ہے وہ بندہ جو اس کو دوست رکھتا ہے اور اس کا فرمانبردار ہے اور لعنت ہو اس پر جو ان سے دشمنی رکھتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے۔[1]

فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

در کعبه شد پدید و به محراب شد شهید
نازم به حسن مَطلَع و حسن ختام او

ایک اور شاعر نے کہا:

کسی را میسر نه شد این سعادت
به کعبه ولادت به مسجد شهادت

آغوش رسالت میں پرورش:

حضرت علی علیہ السلام تین چار سال کے تھے جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں گود میں لے لیا۔

حضرت علی علیہ السلام اپنی پرورش اور بچپنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ وَ الْمَنْزِلَةِ الْخَصِيْصَةِ وَضَعَنِيْ فِيْ حِجْرِهٖ وَ اَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِيْ اِلٰى صَدْرِهٖ وَ يَكْنُفُنِيْ فِيْ فِرَاشِهٖ وَ يُمِسُّنِيْ جَسَدَهُ وَ يُشِمُّنِيْ عَرْفَهُ وَ كَانَ يَمْضَغُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيْهِ

---

[1] امالی شیخ صدوقؒ، ص ۱۳۳۔

وَ مَا وَجَدَ لِي كَذْبَةً فِي قَوْلٍ وَّلَا خَطْلَةً فِي فِعْلٍ وَ لَقَدْ قَرَنَ اللهُ بِهِ مِنْ لَدُنْ أَنْ كَانَ فَطِيمًا أَعْظَمَ مَلَكٍ مِنْ مَلٰئِكَتِهٖ يَسْلُكُ بِهٖ طَرِيْقَ الْمَكَارِمِ وَ مَحَاسِنَ أَخْلَاقِ الْعَالَمِ لَيْلَهُ وَ نَهَارَهُ وَ لَقَدْ كُنْتُ أَتَّبِعُهُ اتِّبَاعَ الْفَصِيْلِ أَثَرَ أُمِّهٖ. يَرْفَعُ لِي فِي كُلِّ يَوْمٍ مِنْ أَخْلَاقِهٖ عَلَمًا وَّ يَأْمُرُنِي بِالْاِقْتِدَاءِ بِهٖ وَ لَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِي كُلِّ سَنَةٍ بِحِرَاءَ فَأَرَاهُ وَ لَا يَرَاهُ غَيْرِي وَ لَمْ يَجْمَعْ بَيْتٌ وَّاحِدٌ يَوْمَئِذٍ فِي الْاِسْلَامِ غَيْرَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ خَدِيْجَةَ وَ أَنَا ثَالِثُهُمَا. أَرَى نُوْرَ الْوَحْيِ وَ الرِّسَالَةِ وَ أَشُمُّ رِيْحَ النُّبُوَّةِ. وَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَنَّةَ الشَّيْطٰنِ حِيْنَ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَيْهِ. فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا هٰذِهِ الرَّنَّةُ فَقَالَ: هٰذَا الشَّيْطٰنُ قَدْ أَيِسَ مِنْ عِبَادَتِهٖ. إِنَّكَ تَسْمَعُ مَآ أَسْمَعُ وَ تَرٰى مَآ أَرٰى إِلَّا أَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ وَّ لٰكِنَّكَ لَوَزِيْرٌ وَّ إِنَّكَ لَعَلٰى خَيْرٍ۔

کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا؟ میں بچہ ہی تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے گود لیا تھا۔ اپنے سینے سے مجھے چمٹائے رکھتے تھے۔ بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپؐ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپؐ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت فرشتے (روح القدس) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز اعلیٰ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا۔ میں آپؐ کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپؐ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال کوہ حراء میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے۔ وہاں میرے علاوہ آپؐ کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

اُمّ المومنین جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہیں تھا، البتہ ان میں تیسرا فرد میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (پہلی) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آواز کیسی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ شیطان ہے جو اپنی پرستش سے مایوس ہوگیا ہے''۔ پھر فرمایا: ''اے علیؑ! جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو، تم وزیر اور جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو''۔[1]

۲- بعثت سے ہجرت مدینہ تک

تصدیق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

تاریخ اسلام اور شیعہ سنی روایات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہی وہ سب سے پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، اپنے ایمان کا اظہار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی اور قرآن کریم کی ان آیات کی مصداق قرار پائی جن میں ارشاد ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١﴾

اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں۔ وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔[2]

نیز قرآن مجید کی درج ذیل آیہ مجیدہ بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہی ہے:

﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝٤٣﴾

اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کی گواہی کیلئے ایک اللہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۲ (خطبہ قاصعہ)۔

[2] سورۂ واقعہ، آیت ۱۰-۱۱۔

[3] سورۂ رعد، آیت ۴۳۔

روایات اہل بیت علیہم السلام میں آیا ہے کہ بریدہ بن معاویہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مذکورہ آیہ مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

اِیَّانَا عَنٰی وَ عَلِیٌّ اَوَّلُنَا وَ اَفْضَلُنَا وَ خَیْرُنَا بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ۔

اس آیہ سے مراد ہم ہیں۔ ہم میں سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم میں سے سب سے افضل اور برتر ہیں۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے خود اپنی زبان مبارک سے یہ واضح فرمایا ہے کہ اسلام کے سب سے پہلے عابد وہی ہیں۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں حضرت علی علیہ السلام کے حوالے سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، وَ اَخُوْ رَسُوْلِهٖ وَ اَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ اِلَّا كَذَّابٌ. صَلَّيْتُ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِيْنَ۔

میں اللہ کا بندہ، رسول کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں۔ جو بھی میرے بعد اس کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز ادا کی۔[2]

دعوت ذوالعشیرہ میں حضرت علی علیہ السلام کا بطور خلیفہ تعین:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی وحی کے نزول کے بعد تقریباً تین سال تک اپنی دعوت کو خفیہ رکھا اور جب آیہ مجیدہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾[3]: (اور اپنے قریبیوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈراؤ) نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ تمام اولاد عبدالمطلب کیلئے ایک کھانے کی دعوت کا اہتمام کریں۔ حضرت علی علیہ السلام نے سب کو مدعو کر کے کھانے کا انتظام کیا۔ مختصر سا کھانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہاں موجود بنی عبدالمطلب کے تقریباً چالیس (۴۰) افراد نے جی بھر کر کھایا۔ کھانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، اِنِّيْ وَاللّٰهِ! مَا اَعْلَمُ شَابًّا فِي الْعَرَبِ جَآءَ قَوْمَهٗ

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۹۔
[2] سنن ابن ماجہ، ص ۱۲۔ خصائص نسائی، ص ۳۔
[3] سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴۔

بِاَفْضَلَ مِمَّا جِئْتُكُمْ بِهٖ. اِنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ. وَ قَدْ اَمَرَنِيَ اللّٰهُ اَنْ اَدْعُوَكُمْ اِلَيْهِ. فَاَيُّكُمْ يُؤَازِرُنِيْ عَلٰى اَمْرِيْ هٰذَا؟

اے بنی عبد المطلب! میں پورے عرب میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کیلئے اتنی اچھی تعلیمات لے کر آیا ہو جو میں تمہارے لئے لے کر آیا ہوں۔ میں اللہ کی جانب سے تمہارے لئے دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی و کامیابی کا پیغام لایا ہوں۔ پس تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میری مدد اور معاونت کرے؟۔

روایات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کہتے ہیں اگرچہ میں اس محفل میں، عمر اور جسمانی طاقت و توانائی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا اور کمزور تھا، مگر پھر بھی میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! میں حاضر ہوں، میں کارِ رسالت میں آپ کا وزیر و معاون بننے کیلئے تیار ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ هٰذَا اَخِيْ وَ وَصِيِّيْ وَ خَلِيْفَتِيْ فِيْكُمْ. فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَ اَطِيْعُوْا۔

(تو پھر سن لو!) یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہے۔ پس اس کی بات کو خوب دھیان سے سننا اور اس کی اطاعت بجالانا"۔[1]

شب ہجرت حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری:

مشرکین مکہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا اور یہ طے پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے وقت اس کے گھر پر حملہ کر کے بستر پر ہی قتل کر دیا جائے۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرائیل امینؑ کے ذریعے ملی اور پروردگار عالم کی جانب سے حکم دیا گیا کہ آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور اپنے بستر پر علی علیہ السلام کو سلا دیں۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: آپؑ میرے بستر پر سو جائیں اور مجھے ہجرت کرنی ہے، آج میرے بستر پر دشمن حملہ کریں گے۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ کے بستر پر میرے سونے سے آپؐ کی جان بچ جائے گی؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، ایسا ہی وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے یہ سنا اور سجدہ شکر بجالائے اور بارگاہ رب میں عرض کی: اے اللہ! تیرا شکر کہ تو نے مجھے اپنے نبی کا طفیل قرار دیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے گئے اور

---

[1] سیرۂ حلبی، ج۱، ص۳۲۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج۱، ص۱۱۱۔ کنز العمال، ج۶، ص۳۹۷۔ شرح نہج البلاغہ، ج۱۳، ص۲۱۰۔

علی مرتضیٰ علیہ السلام رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اوڑھ کر سو گئے۔ دشمنوں نے حملہ کیا اور دیکھا کہ بستر پر تو علی علیہ السلام لیٹے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان دشمنوں کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کی جاںنثاری کو دیکھتے ہوئے یہ آیت نازل کی جس میں ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾

اور انسانوں میں ایسا بھی جو اپنے نفس کو بیچ دیتا اللہ کی مرضیوں کے عوض اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔[1]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

نَزَلَ فِيْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عليه السلام حِيْنَ بَاتَ عَلٰى فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله حَيْثُ طَلَبَهُ الْمُشْرِكُوْنَ۔

یہ آیہ مجیدہ اس وقت اتری جب علی علیہ السلام نبی کے بستر پر سوئے، جبکہ مشرکین آپ کو تلاش کر رہے تھے۔[2]

۳۔ ہجرت سے رحلت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک

مؤاخات:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد اپنے ابتدائی کاموں میں سے جو اہم کام کیا وہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم کرنا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دے چکے اور حضرت علی علیہ السلام تنہا رہ گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: یارسول اللہؐ! آپؐ نے مجھے کسی کا بھائی قرار نہیں دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنْتَ اَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔

تم تو دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔[3]

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۰۷۔ نور الثقلین، ج ۱، ص ۲۰۴۔

[2] بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۴۱۔

[3] سنن الترمذی، ج ۲، ص ۲۹۹۔

واضح رہے کہ یہ مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

جنگ بدر و اُحد میں حضرت علیؑ کا کردار:

حضرت علی علیہ السلام نے اسلام کے دفاع میں تمام غزوات میں سوائے غزوہ تبوک کے، بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اکثر غزوات میں پرچم اسلام آپؑ ہی کے دست مبارک میں ہوتا تھا۔ درست کہا ہے محققین نے کہ اسلام کی ترقی میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی قربانیوں اور ان کی دولت اور حضرت علی علیہ السلام کی جرأت و شجاعت کا بہت زیادہ حصّہ ہے۔ اسلام و کفر کی پہلی جنگ، جنگ بدر ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور سامان جنگ بھی نہایت قلیل تھا جن میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ شامل تھے، جبکہ دشمنوں کی فوج ۹۵۰ افراد اور دو سو گھوڑے اور سینکڑوں اونٹ اور وافر سامان جنگ اپنے ساتھ لائی تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین مکہ کو شکست اُٹھانا پڑی۔ اس جنگ میں ۷۰ کافر مارے گئے اور ۷۰ اسیر ہوئے۔ ان کافروں میں جو ستر افراد مارے گئے ان میں سے صرف حضرت علی علیہ السلام نے ۳۶/افراد کو واصل جہنم کیا۔

جنگ اُحد میں حضرت علیؑ کا کردار نہایت نمایاں ہے۔ جب مسلمان شکست سے دو چار ہوئے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق افواہ پھیل گئی کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں تو بڑے بڑے اکابر میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام مسلسل لڑ رہے تھے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: جب سب میدان چھوڑ کر چلے گئے تو تم کیوں نہیں گئے؟ تو حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: اَاَکْفُرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ؟: ''کیا میں ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیتا''۔ حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک جنگ کی حالت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر میدان سے بھاگ جانا یعنی اسلام سے ہاتھ دھو لینا تھا۔ آپؑ کو جنگ اُحد میں بہت سے زخم آئے پھر بھی آپؑ بہت بہادری سے لڑے اور آپؑ کیلئے فرشتے یہ پڑھ رہے تھے:

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ۔

تلوار تو بس ذوالفقار ہے اور جوان تو بس علی علیہ السلام ہے۔[1]

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۰ ص ۵۴۔

حضرت علی علیہ السلام کی تزویج:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ لَا عَلِیٌّ لَمَا کَانَ لِفَاطِمَةَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ کُفُوٌ۔

اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔[1]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا اور لوگوں نے بھی ہاتھ مانگا، لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری بیٹی فاطمہؑ کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اس کا رشتہ جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں ہوگا''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ ہم نے آسمان پر فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقد علی علیہ السلام سے کر دیا ہے۔ آپؑ زمین پر علیؑ کا عقد فاطمہؑ سے پڑھ دیں۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر فاطمہ کا عقد اُن سے کر دیا اور یہ حضرت علیؑ کیلئے بہت بڑا اشرف ہے، کیونکہ بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کائنات کی عورتوں کی سردار اور خاتون جنت اور گیارہ اماموں کی ماں ہیں۔ ان کے بیٹے امام حسنؑ اور امام حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَا عَلِیُّ! اِنَّكَ اُعْطِیْتَ ثَلَاثًا مَّآ اُعْطِیْتَ مِثْلَهٗ. قُلْتُ: فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ! فَمَآ اُعْطِیْتُ؟ قَالَ ﷺ: اُعْطِیْتَ صِهْرًا مِّثْلِیْ وَ اُعْطِیْتَ مِثْلَ زَوْجَتِكَ فَاطِمَةَ وَ اُعْطِیْتَ مِثْلَ وَلَدَیْكَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ۔

اے علیؑ! اللہ نے تجھے تین خصوصیات ایسی عطا کی ہیں کہ جو مجھے عطا نہیں کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں! وہ کونسی خصوصیات ہیں؟: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ۱۔ مجھ جیسا سسر عطا ہوا، ۲۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی زوجہ ملی، ۳۔ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ جیسے فرزند ملے۔[2]

---

[1] روضۃ المتقین، ج ۸، ص ۲۶۲۔

[2] دعائم الاسلام، ج ۱، ص ۱۲۰۔

جنگ خندق وخیبر وذات السلاسل میں حضرت علیؑ کا کردار:

ہجرت کے پانچویں سال مشرکین عرب نے باقی یہود ونصاریٰ اور دوسرے عرب قبائل کو ساتھ ملا کر دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی اور جب مدینہ پہنچے تو مدینہ کے گرد خندق کھودی ہوئی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ تقریباً ایک مہینہ تک خندق کو پار کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن منہ کی کھاتے رہے۔ بالآخر عمرو بن عبدود اور اس کے چار ساتھی خندق کو عبور کر کے مسلمانوں کی طرف آگئے اور مبارز طلب کرنے لگے۔ ایسے میں جب رسول خدا ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جاؤ اُس کے مقابلے میں تو کسی کو جانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس کا پورا نقشہ سورۂ احزاب میں اللہ نے کھینچا ہے کہ تمہاری یہ حالت تھی کہ خوف کے مارے تمہارے کلیجے منہ کو آرہے تھے۔ ایسے میں اُسی نے رسول پاک ﷺ کی آواز پر لبیک کہی جو ہر جنگ میں آگے آگے ہوتا تھا اور وہ کوئی اور نہ تھا بلکہ مولا علی مرتضیٰ مشکل کشا علیہ السلام تھے۔ حضرت علی علیہ السلام جب عمرو بن عبدود سے لڑنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو رسول پاک ﷺ نے آپؑ کی شان میں یہ بصیرت افروز جملہ ارشاد فرمایا:

بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ۔

آج کل کا کُل ایمان کُل کُفر کے مقابلے میں جا رہا ہے۔[1]

پھر جب آپؑ نے دشمن کا سر کاٹ کر حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں پھینکا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی:

لَضَرْبَۃُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ۔

خندق کے دن علی علیہ السلام کی ایک ضربت تمام کائنات کی عبادتوں سے افضل ہے۔[2]

پس معلوم ہوا کہ جس کی ایک ضربت تمام جن وانس کی عبادتوں پر بھاری ہو، اس کی دوسری عبادتوں کا کیا کہنا۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۹، ص ۱۔

[2] اقبال الاعمال، ج ۱، ص ۴۶۸۔

اس کے علاوہ جنگ خیبر میں تمام باقی قلعے فتح ہو گئے، لیکن قلعہ قموص فتح نہیں ہو رہا تھا۔ کئی دن بہت سے لوگوں نے کوشش کی، لیکن آخر کار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یُحِبُّهُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ، لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یَفْتَحَ اللهُ عَلٰی یَدَیْهِ۔

کل میں علم اُسے دوں گا جو مرد ہوگا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والا ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے محبت رکھتے ہوں گے، وہ کرار ہوگا، فرار نہیں ہوگا، وہ جنگ سے واپس نہیں پلٹے گا مگر یہ کہ اللہ اُس کے ہاتھوں جنگ فتح کروائے گا۔[1]

جنگ سلاسل کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے جس طرح سے دشمنوں پر کمانڈو ایکشن کیا، اس کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ العادیات میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵﴾

قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو فراٹے بھرتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر اپنی (ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں۔ پھر صبح سویرے چھاپے مارتے ہیں۔ پھر اس موقع پر گرد وغبار اڑاتے ہیں، پھر اسی حالت میں (دشمن کے مجمع) کے اندر جا گھستے ہیں۔[2]

حضرت علی علیہ السلام جب اس جنگ کو فتح کر کے واپس آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام قدم بوسی کیلئے آگے بڑھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ لَآ اَنْ اُشْفِقَ اَنْ تَقُوْلَ فِیْكَ طَوَآئِفُ مِنْ اُمَّتِیْ مَا قَالَتِ النَّصَارٰی فِی الْمَسِیْحِ لَقُلْتُ الْیَوْمَ فِیْكَ مَقَالًا لَا تَمُرُّ بِمَلَاٍ مِّنْهُمْ اِلَّا اَخَذُوا

---

[1] الکافی، ج ۸، ص ۳۵۱۔

[2] سورۂ عادیات، آیت ۱-۵۔

الْتُّرَابَ مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْكَ ارْكَبْ فَإِنَّ اللَّهَ وَ رَسُوْلَهُ عَنْكَ رَاضِيَانِ۔

یا علیؑ! تیرے اتنے فضائل ہیں کہ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تیرے متعلق بھی وہی گمان کریں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کرتے ہیں تو میں وہ فضائل بیان کرتا کہ لوگ تیرے قدموں کی خاک بطور تبرک اُٹھاتے۔ تم سوار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے راضی ہیں۔[1]

فتح مکہ کے موقع پر بت شکنی:

فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا گیا۔ جو بڑے بڑے بُت کعبہ کی دیواروں پر اور چھت پر نصب تھے اُن کو توڑنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم میرے کاندھوں پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہو جاؤ اور بتوں کو توڑ دو۔ حضرت علی علیہ السلام نے یہ کام انجام دیا۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کیلئے بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس موقع پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا: کیسا محسوس کر رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا: چاہوں تو آسمان کو چھولوں۔

مباہلہ میں بطور نفس رسول آمد:

۲۴ ذوالحجہ ۹ ہجری کو نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ ہونا قرار پایا جس کو قرآن مجید نے اس انداز میں بیان فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ۗ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾﴾

(اے پیغمبرؐ!) علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں تو اُن سے کہہ دو کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دُعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت قرار دیں۔[2]

---

[1] بحارالانوار، ج ۳۸، ص ۲۴۷۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۶۱۔

تاریخ بتاتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ﴿اَبْنَآءَنَا﴾ کہ جگہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو اور ﴿نِسَآءَنَا﴾ کی جگہ حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کو اور ﴿اَنْفُسَنَا﴾ کی جگہ حضرت علی علیہ السلام کو ساتھ لیا۔ اس طرح قرآن مجید کی آیت کی رو سے آپؑ اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جان کی مانند قرار پائے ہیں۔ یہ اتنا بڑا رتبہ ہے کہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ اسی آیت کی روشنی میں حضرت علی علیہ السلام رسول پاک ﷺ کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، کیونکہ نفس پیغمبر ہیں۔ اس لئے کہ جب رسول پاک ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں تو جو اُن کی طرح اور اُن کی جان کی طرح ہے وہ بھی افضل ہی ہوگا۔ غور فرمایئے!

غدیر خم میں ''مولا'' قرار پائے:

دس ہجری میں رسول گرامی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ اپنا آخری حج کر کے واپس مدینہ آ رہے تھے۔ جب آپؐ غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

اے رسولؐ! اس حکم کو پہنچا دے جو تیری طرف تیرے ربّ کی طرف سے نازل ہو چکا ہے اور اگر تو نے اس حکم کو ابلاغ نہ کیا تو تو نے رسالت الٰہی کو انجام ہی نہیں دیا اور اللہ تجھے انسانوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا۔[1]

اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کیا جن کی تعداد تقریباً ۹۰ سے ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب تھی اور وہاں نورانی وطولانی خطبہ ارشاد فرما کر حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر مجمع عام میں فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔

جس جس کا میں مولا ہوں، اُس اُس کا علیؑ مولا ہے۔[2]

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۶۷۔

[2] احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۶۰۔ سنن ابن ماجہ، ص ۱۲۔

اس طرح حضرت علی علیہ السلام تمام مومنین کے مولا، حاکم اور سرپرست قرار پائے۔ اس موقع پر قرآن پاک کی یہ آیہ مجیدہ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا ہے۔[1]

پس ان آیات کی روشنی میں وہ دین مکمل ہے اور اللہ کا پسندیدہ ہے جس دین میں حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و حاکمیت ہو۔ بغیر امامت علیؑ اور اولاد علیؑ کے جو معصوم ہیں دین مکمل نہیں ہے اور نہ ہی ایسے ادھورے دین سے اللہ راضی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل وکفن کے کفیل:

حجۃ الوداع کے بعد پیش آنے والے واقعہ غدیر خم کے تقریباً ۷۰ دن بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۸ صفر گیارہ ہجری کو وفات پاگئے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وصیت میں حضرت علی علیہ السلام کو اپنے امور کیلئے وصی قرار دیا اور فرمایا:

يَا عَلِيُّ! اَنْتَ تُغَسِّلُ جُثَّتِيْ وَتُؤَدِّيْ دَيْنِيْ وَتُوَارِيْنِيْ فِيْ حُفْرَتِيْ وَتَفِيْ بِذِمَّتِيْ، وَاَنْتَ صَاحِبُ لِوَآئِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اے علیؑ! تم ہی میرے جسد اطہر کو غسل دو گے، میرے قرض ادا کرو گے، مجھے قبر میں لٹاؤ گے اور میرے ذمے امور کو پورا کرو گے۔ تم دنیا وآخرت میں میرے علمبردار ہو۔[2]

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے یہ تمام ذمہ داریاں بطور احسن نبھائیں۔

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۳۔

[2] کنز العمال، ج ۱۱، ص ۶۱۲، حدیث ۳۶۹۶۵۔

۴۔رحلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خلافت تک

مکتب اہل بیت کے مطابق رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو اہلبیت اطہار علیہم السلام کے متعلق اور خصوصاً حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور جانشینی کے متعلق جو وصیتیں کی تھیں، اُمت کی اکثریت نے انہیں پس پشت ڈال دیا اور حضرت علی علیہ السلام کو ۲۵ سال تک خلافت سے محروم رکھا۔

ان پچیس سالوں میں حضرت علی علیہ السلام جو کام کرتے رہے ان کو بطور خلاصہ پیش کرتے ہیں:

۱۔عبادت وبندگی:

حضرت علی علیہ السلام اپنے پروردگار کی اطاعت وبندگی میں مصروف رہے۔ایسی عبادت جو علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسی شخصیت کے شایان شان تھی۔جس کے بارے میں آپؑ خود فرماتے تھے:

مَا عَبَدْتُكَ خَوْفًا مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا فِي جَنَّتِكَ وَلٰكِنْ وَجَدْتُكَ اَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ۔

اے پروردگار! میں تیری عبادت نہ جنت کے لالچ میں کرتا اور نہ ہی دوزخ کے خوف سے کرتا ہوں، بلکہ تیری عبادت تجھے لائق عبادت سمجھ کر کرتا ہوں۔[۱]

علی علیہ السلام کی عبادت ایسی تھی کہ امام زین العابدین علیہ السلام بھی اپنی عبادت وبندگی کو اپنے جد علی علیہ السلام کی عبادت کے سامنے ناچیز سمجھتے تھے۔

۲۔تفسیر قرآن:

حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے وارث تھے۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا. فَمَنْ اَرَادَ الْمَدِيْنَةَ فَلْيَاْتِهَا مِنْ بَابِهَا۔

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔جس نے (قرآن وسنت کا) علم حاصل کرنا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس دروازے سے آئے۔[۲]

---

[۱] ج ۶۷، ص ۱۹۷۔

[۲] عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۳۳۔

حضرت علی علیہ السلام ان پچیس سالوں میں تفسیر قرآن اور بہت سی مشکلات کا حل فرماتے رہے ہیں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے شاگردوں کی پرورش کرتے رہے ہیں۔

۳۔اقوام عالم کے دانشوروں کے سوالوں کا جواب دینا:

یہود و نصاریٰ کے بہت سے علماء اور دوسری قوموں کے دانشور مدینہ آتے تھے اور سوالات کرتے تھے اور مولا علی علیہ السلام ان کے سوالوں کے مدلل جواب دیتے تھے۔ آپؑ توریت والوں کو توریت سے، زبور والوں کو زبور سے اور انجیل والوں کو انجیل سے اور اہل قرآن کو قرآن سے جواب دیتے تھے۔ جب آپؑ جواب دے کر اسلام کی عظمت کا سکہ بٹھاتے تھے تو خلفائے وقت بھی خوش ہوتے تھے۔

۴۔حکم شرعی کو بیان کرنا:

حکمرانوں کو نئے نئے موضوعات اور ان کے بارے میں حکم شرعی جاننے کی ضرورت پیش آتی تھی جس کو مولا علی علیہ السلام بیان فرماتے تھے۔ چونکہ اصحاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی بھی علم و فضل میں علیؑ جیسا نہیں تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''تم میں سے علیؑ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں''۔ صدر اسلام میں بہت سے ایسے مسائل جو لاینحل تھے حضرت علی علیہ السلام نے انہیں حل فرمایا اور قیاس اور گمان کا راستہ بند کیا۔

۵۔بعض اہل دل اور پاک ضمیر انسانوں کی تربیت کرنا:

حضرت امام علی علیہ السلام نے بعض اصحاب جیسے سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ اور کمیل جیسے افراد کی تربیت معنوی کی اور انہیں سیر و سلوک الی اللہ کی طرف خصوصی طور پر آمادہ کیا۔

۶۔معاش کیلئے محنت و مشقت:

حضرت علی علیہ السلام نے ان پچیس سالوں میں جہاں عبادت و بندگی، تعلیم و تربیت اور افراد کی روحانی تربیت افراد کیلئے کام کیا وہاں اپنے گھر والوں، مسکینوں اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کی فلاح و بہبود کیلئے بھی کام کیا۔ آپؑ نے بہت سارے کنویں کھودے، زراعت کی، فارم تیار کئے اور ان میں بہت سے وقف کئے۔ نیز سینکڑوں غلام خرید خرید کر آزاد کئے۔

۷۔ حکومت وقت کی مشاورت:

جب بھی کبھی خلفائے وقت کو کوئی سیاسی یا مذہبی مشکل پیش آئی اور انہوں نے آپؑ سے مشاورت کی تو اپنے اختلاف نظر کو الگ رکھتے ہوئے نہایت دیانتداری سے مفید مشورے دیئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو کہنا پڑا: لَوْ لَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ''؛ ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا''۔

۵۔خلافت سے شہادت تک

حضرت علیؑ ﷺ نے ۳۵ ہجری ۲۳ ذوالحجہ کو حکومت اسلامی کی باگ ڈور سنبھالی۔ آپؑ نے طرز حکومت وہی رکھا جو رسول کریم ﷺ کا طرز عمل تھا۔ تمام لوگوں کے وظائف مساوی مقرر کیے۔ وظیفے مقرر کرنے میں آپؑ نے آقا و غلام کی تمیز ختم کردی۔ پچھلی حکومت کی جو مالی بے ضابطگیاں تھیں ان کو درست کیا، کیونکہ آپؑ نے جب حکومت سنبھالی تھی تو فرمایا کہ اگر بیت المال لوگوں کی عورتوں کے جہیز میں چلا گیا ہوگا تو اُس کو بھی واپس پلٹاؤں گا۔

حکومت لینے کے بعد آپؑ نے عادلانہ نظام قائم کیا۔ بنی اُمیہ کے خاندان کے کرپٹ گورنروں کو برخاست کیا اور نئے گورنروں کا تقرر کیا۔ آپ نے معاویہ بن ابوسفیان جو پچھلے ۱۹ سال سے گورنر تھا، اس کو بھی معزول کیا لیکن اُس نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کردیا اور پھر اس سے جنگ صفین ہوئی جو تقریباً ۱۷ مہینے جاری رہی۔ اس کے علاوہ آپ کو بیعت توڑنے والوں اور پھر بغاوت کرنے والوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان جنگوں میں آپ کے مدمقابل ایسی شخصیات آئیں جو بظاہر بڑی قدآور تھیں مگر یہ علی علیہ السلام کی ذات کی ہی حقانیت ہے کہ آج تک دوست و دشمن کسی نے انہیں حضرتؑ کے مقابلے آنے والی کسی بھی شخصیت کو برحق نہیں کہا۔

بہرحال جنگ صفین کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں خوارج کے نام سے ایک گروہ نے سر اٹھایا جو بعد میں امت اسلامی کا ایک ناسور ثابت ہوا۔ انہوں نے کوفہ سے کچھ فاصلے پر اپنا مرکز قائم کر کے دہشت گردی شروع کردی اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف فتوے دینے شروع کردیئے۔ انہوں نے کوفے کے باہر حضرت علی علیہ السلام کے ماننے والوں کا قتل کرنا شروع کردیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں

سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ ان میں سے اکثر سمجھ گئے اور ۴۰۰۰ خوارج باقی رہ گئے جن سے حضرت علی علیہ السلام نے جنگ کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ان خارجیوں میں ۹ سے زیادہ زندہ نہیں بچیں گے اور ہم میں سے ۹ سے زیادہ شہید نہیں ہوں گے۔ چنانچہ جب جنگ ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے ۹ آدمی شہید ہوئے اور خوارج کے صرف ۹ آدمی زندہ بچے جو جنگ سے فرار کر گئے۔ ان فراریوں میں سے ایک شخص جس کا نام عبدالرحمٰن بن ملجم تھا، اس شخص نے ۱۹ رمضان المبارک نماز فجر کے موقع پر مسجد کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام کے سر اقدس پر تلوار کا وار کیا جس پر حضرت علی علیہ السلام کی زبان اقدس سے جو کلمات جاری ہوئے وہ یہ تھے:

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔

رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔[1]

پھر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مولائے کائنات علی علیہ السلام ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپؑ کی قبر اقدس نجف اشرف عراق میں موجود ہے جو کروڑوں انسانوں کی زیارت گاہ ہے۔

کعبہ ہے جس کی ولادت وہ شیر خوار
مسجد میں پا گیا جو شہادت وہ تاجدار
بستر رسولؐ کا ہے جسے وجہ افتخار
اب تک دل وجود پہ ہے جس کا اقتدار
جس کا کرم ہی چشمہ آبِ حیات ہے
یہ کائنات جس کے بدن کی زکوٰۃ ہے

✵✵✵✵✵

[1] بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۲۔

ادب، ادیب، مؤدب اور تادیب

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی

الفاظ جہاں افہام وتفہیم کا ذریعہ ہیں وہیں اپنے اعضاء وجوارح نیز اپنی وجود سے ماوراء تمام معقول ومحسوس اشیاء کو نام اور شناخت الفاظ ہی عطا کرتے ہیں اور ان الفاظ کو ترتیب وترکیب کے ساتھ ذہن انسانی میں موجود زبان کے ذریعہ ادائیگی یا قلم کے ذریعہ تحریر کو ہی زبان کا نام دیا جاتا ہے۔ دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتیں ہیں اور سینکڑوں زبانوں کو تحریر کا لباس مل چکا ہے اور رسم الخط پانے والی اکثر زبانوں میں لاکھوں کتابیں آج لائبریروں کی زینت بنی ہوئی ہیں اور زبان کے اکثر و بیشتر الفاظ و محاورات کے معانی ومفاہیم اور مصادیق طے کردیئے گئے جنہیں معانی کہا جاتا ہے اور الفاظ ومعانی کے مجموعہ کو کتاب اللغت کہا جاتا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ زبان منجمد پہاڑ نہیں بلکہ رواں دواں نہر وندی کی مانند ہے۔ اس لئے بہت سارے الفاظ کے خروج وشمول سے نیا خوبصورت اور زود فہم اسلوب وجود میں آتا ہے جس سے تقریر وتحریر کا رنگ روپ بھی بدلتا رہتا ہے۔ الفاظ کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی کسی دور عہد میں ایک یا چند الفاظ کسی خاص مسلک و مذہب یا کسی خاص علم وفن سے مخصوص ہو کر خاص معانی ومفاہیم میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔ ایسے معانی ومفاہیم کو ''اصطلاحی'' معانی ومفاہیم کہا جاتا ہے، جیسے مجلس، ماتم، تعزیہ وغیرہ کے عزائی اصطلاح میں الگ معانی ہیں اور لغت کے اعتبار سے الگ۔ اسی طرح حج، زکوۃ، صلوۃ وغیرہ کے فقہی اصطلاح میں بالکل الگ معانی ہیں اور کتاب لغت میں الگ۔

''اردو'' اسم با مسمّیٰ زبان ہے۔ جیسے ایک لشکر ڈھیروں افراد کے اجتماع سے تشکیل پاتا ہے اسی طرح اردو زبان بھی بہت ساری زبانوں کے اختلاط سے وجود میں آئی ہے جس کی عمر دوسری رائج زبانوں کے مقابلے میں بہت کم ہے، لیکن اپنی تمام تر تکھیر تی خوبیوں کی وجہ سے اپنے وجود کو دنیا میں بہت حد تک منوا لیا ہے اور آج دنیا میں افہام و تفہیم اور ابلاغ و تبلیغ کی زبانوں میں اردو زبان کو بھی ایک مقام حاصل ہے۔

اب آیئے اس مضمون کے عنوان میں شامل چار الفاظ جن کے بنیادی حروف: ''الف''، ''دال'' اور ''باء'' (یعنی: ا، د، ب) ہیں۔ مگر مکتوبی شکل و صورت الگ الگ ہے۔ اس لئے ان کے معانی و مصادیق بھی جدا جدا ہیں اور یہ چاروں الفاظ احادیث معصومین علیہم السلام میں آئے ہیں۔ ان میں غور و فکر کریں کہ ان کے معانی و مصادیق کیا ہیں۔

''ادب'' کیا ہے؟

صاحب مصباح اللغات لفظ ''الادب'' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ناشائستہ باتوں سے روکنے والے اخلاقی ملکہ (یعنی قدرت و صلاحیت) کو ''ادب'' کہا جاتا ہے اور ''ادب'' کا دوسرا معنیٰ ''زیرکی و خوش طبعی'' بھی ہے۔ ''ادب'' کی جمع آداب ہے، لیکن لفظ آداب کا اطلاق علوم و معارف پر بھی ہوتا ہے اور کسی چیز یا کسی شخص کے مخصوص قوانین کیلئے بھی لفظ آداب بولا جاتا ہے۔ جیسے آدابِ مجلس، آدابِ درس، آدابِ دستر خوان وغیرہ۔ اور بول چال نیز تحریر کی غلطیوں سے بچانے والے علم کو ''ادب'' کہا جاتا ہے۔

کچھ مغربی دانشوروں نے مل کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات والا صفات سے متعلق ایک کتاب ''سپر مین ان اسلام'' تحریر کی ہے جس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ اس کتاب میں علوم و ادب سے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمودات کو اس طرح نقل کیا ہے:

> ادب ایک لباس سے عبارت ہے جو تحریر یا تقریر کو پہناتے ہیں تا کہ سننے یا پڑھنے

والے کیلئے کشش پیدا ہو۔[1]

اسی کتاب میں آگے چل کر نقل کرتے ہیں:

ہر علم میں ادب ہے لیکن ممکن ہے ہر ادب میں علم نہ ہو۔

اور اسی کتاب کے ایک اور مقام یہ قول تحریر ہے:

ہر وہ چیز جو آدمی کو کچھ سکھائے وہ علم ہے۔[2]

احادیث میں لفظ ''ادب''

کتاب ''غرر الحکم'' اور ''میزان الحکمۃ'' میں موضوع ادب کے تحت ایک ہی جگہ پر سرکار مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بہت سارے اقوال و فرامین ذکر ہوئے ہیں جن میں سے چند پیش خدمت ہیں:

اَلْاَدَبُ کَمَالُ الرَّجُلِ۔

ادب انسانی کمال کا نام ہے۔

اَلْاَدَبُ اَحْسَنُ سَجِیَّۃٍ۔

ادب بہترین خصلت ہے۔

اَفْضَلُ الشَّرَفِ الْاَدَبُ۔

ادب بہترین شرف و عزت ہے۔

اَشْرَفُ حَسَبٍ حُسْنُ اَدَبٍ۔

حسنِ ادب بہترین خاندانی شرافت و افتخار ہے۔

عَلَیْكَ بِالْاَدَبِ. فَاِنَّهٗ زَیْنُ الْحَسَبِ۔

ادب سیکھو، کیونکہ ادب خاندانی شرافت کی زیب و زین ہے۔

---

[1] سپر مین ان اسلام، ص ۱۹۴۔

[2] سپر مین ان اسلام، ص ۱۹۹۔

لَا حُلَلَ كَالْآدَابِ۔

آداب سے بہتر کوئی پوشاک نہیں ہے۔

إِنَّ بِذَوِي الْعُقُوْلِ مِنَ الْحَاجَةِ إِلَى الْأَدَبِ كَمَا يَظْمَأُ الزَّرْعُ إِلَى الْمَطَرِ۔

صاحبان عقل کو ادب کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کھیتی کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اَلْأَدَبُ صُوْرَةُ الْعَقْلِ۔

ادب عقل کی تصویر ہے۔[1]

یہ صرف احادیث و اقوال نہیں ہیں، بلکہ درحقیقت ہر قول اپنی جگہ ''خود یابی'' و ''خود شناسی'' کیلئے آئینہ ہے۔ ذرا ''ادب'' کے لغوی معنی کو سامنے رکھئے۔ صاحب مصباح اللغات نے ''ادب'' کو ناشائستہ باتوں سے بچانے والے اخلاقی ملکہ یعنی برائیوں سے بچانے والی قوت و قدرت بتایا ہے۔ پھر احادیث پڑھتے جایئے تو یقین بڑھتا چلا جائے گا کہ یقیناً ادب انسانی کمال، بہترین خصلت، بہترین شرافت، خاندانی زیب و زینت، بہترین لباس اور عقل کی تصویر ہے۔ اس کے بعد اب اپنے کو ڈھونڈیں کہ ادب مجھ سے پاس ہے یا میں ادب سے کتنا یا کس قدر دور یا قریب ہوں۔ اگر قریب ہیں تو اقرب ہونے کیلئے اور اگر دور ہیں تو قریب ہونے کیلئے بے چینی، مایوسی سے بچنے کیلئے طاقت بنائیں۔

''ادیب'' کون؟

ہر زبان حروف و اسماء و افعال سے مرکب ہوتی ہے۔ مختلف مقصود و معانی کے حصول کیلئے افعال کی شکل و صورت بدلتی رہتی ہے جس کی تفصیل علم صرف میں مذکور ہے۔ عربی میں ہر فعل میں کم از کم تین بنیادی حروف ہوتے ہیں۔ ان کے بیچ والے حرف پر زیر زبر یا پیش آنے سے ابواب بنتے ہیں اور وہ ابواب ان حروف کو معانی عطا کرتے ہیں۔

''ادب، ادیب، مؤدب اور تادیب'' میں بنیادی حروف الف، دال اور باء ہیں۔ اگر ان تینوں حروف کو علم صرف کے باب (کَرُمَ. یَکْرُمُ) یعنی (اَدُبَ یَاْدُبُ) سے استعمال کیا جائے تو معنیٰ ''زیرک

[1] یہ تمام احادیث کتاب میزان الحکمۃ، ج ۱، ص ۵۲-۵۵ سے نقل کی گئی ہیں۔

ودانشمند ہونا یا صاحب ادب ہونا'' ہوگا اور لفظ ''ادیب'' صفت کا مظہر ہوگا اور یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ اگر صفت کسی ذات میں بطور ثبوت موجود ہو تو اس کو ''صفت مشبہ'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح ''ادیب'' وہی ہوسکتا ہے یا اس کو لکھا یا کہا جا سکتا ہے جس میں زیرکی، دانشمندی اور تحریر وتقریر میں غلطیوں سے بچنے کی صفت وصلاحیت بطور ثبوت موجود ہو۔

''الف، دال، باء'' علم صرف میں اگر (ضَرَبَ. یَضْرِبُ) یعنی (اَدَبَ یَاْدِبُ) سے استعمال ہو تو اس کا معنی ہوگا: دعوت کا کھانا تیار کرنا اور دعوت میں بلانا۔ واضح رہے کہ اس باب میں صفت مشبہ کا صیغہ نہیں آتا۔ اس لئے کہ صفت مشبہ کا صیغہ صرف ابواب لازمہ سے آتا ہے ورنہ ہر باورچی ادیب ہوجائے گا۔

احادیث میں ''ادیب'':

علم زبان کے ادب میں ادیب اسی کو کہا جاتا ہے جو شیفتۂ ادب اور ادب کا دلدادہ ہو۔ سرکار مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ كَلِفَ بِالْاَدَبِ قَلَّتْ مَسَاوِيْهِ۔

جو ادب کا دلدادہ ہوگا اس سے برائیاں کم سرزد ہوں گی۔ [1]

اس قول کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ جو جتنا پاکدامن ہوگا وہ اتنا ہی بڑا ادیب ہوگا۔

ایک اور حدیث میں حضرت علی علیہ السلام نے ادب کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

كَفَاكَ مُؤَدِّبًا لِنَفْسِكَ تَجَنُّبُ مَا كَرِهْتَهُ مِنْ غَيْرِكَ۔

صاحب ادب یعنی ادیب ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ تم اپنے کو ان باتوں سے محفوظ رکھو جن کو تم دوسروں سے ناپسند کرتے ہو۔ [2]

اور آپؑ کا یہ بھی فرمان ہے:

اِذَا زَادَ عِلْمُ الرَّجُلِ زَادَ اَدَبُهُ وَ تَضَاعَفَتْ خَشْيَتُهُ۔

---

[1] میزان الحکمۃ، ج ۱، ص ۵۴۔

[2] تصنیف غرر الحکم، حکمت ۵۹۸۹۔

علم میں اضافہ سے ادب بڑھتا ہے اور خوف خدا دو برابر ہو جاتا ہے۔[1]

ان فرامین سے پتہ چلتا ہے کہ انسان جتنا روحانی و معنوی اعتبار سے بلند ہوگا، اتنا برتر ادیب بھی ہے یعنی تربیت یافتہ ہے۔

''مؤدب'' کون؟

''الف، دال، باء'' کو اگر باب تفعیل میں استعمال کیا جائے یعنی (اَدَّبَ یُؤَدِّبُ تَأْدِیْبًا) کہا جائے تو ''تادیب'' کے مندرجہ ذیل معانی ہوں گے:

مہذب بنانا، شائستہ بنانا، ادب سکھانا، جرم پر سزا دینا

مذکورہ چار معانی میں سے تین معانی میں یکسانیت ہے۔ یعنی تہذیب و شائستگی و ادب بہت قریب قریب کی صفات حسنہ ہیں۔ احادیث میں مذکورہ تین معانی کیلئے ''تادیب'' کا لفظ زیادہ تر آیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ اَدَّبَ نَبِیَّہٗ فَاَحْسَنَ اَدَبَہٗ. فَلَمَّا اَکْمَلَ لَہُ الْاَدَبَ قَالَ: ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾[2] ثُمَّ فَوَّضَ اِلَیْہِ اَمْرَ الدِّیْنِ وَ الْاُمَّۃِ لِیَسُوْسَ عِبَادَہٗ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کی تربیت کی اور بہترین تربیت فرمائی اور جب مکمل ادب سے مزین فرمادیا تب فرمایا: ''بیشک آپؐ خلق عظیم پر فائز ہیں''۔ اس کے بعد دین اور امت کے امور آپؐ کے حوالے کیے تاکہ آپؐ بندگانِ خدا کی رہبری اور قیادت کریں۔[3]

---

[1] تصنیف غرر الحکم، حکمت ۹۱۷۔

[2] سورۂ قلم، آیت ۴۔

[3] الکافی، ج ۱، ص ۲۶۶۔

خود سرکار نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَنَا اَدِیْبُ اللّٰہِ وَ عَلِیٌّ اَدِیْبِیْ۔

میں تربیت یافتۂ الٰہی ہوں اور علیؑ نے مجھ سے تربیت پائی ہے۔

اور حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

یَا کُمَیْلُ! اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَدَّبَہُ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ وَ ھُوَ اَدَّبَنِیْ وَ اَنَا اُؤَدِّبُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اُوَرِّثُ الْاَدَبَ الْمُکْرَمِیْنَ۔

رسول اکرم ﷺ تربیت یافتہ پروردگار ہیں اور میری تربیت رسول گرامی ﷺ نے کی ہے اور میں مومنین کو تربیت دیتا ہوں اور باشرف لوگوں کو ادب کی میراث عطا کرتا ہوں۔[1]

مذکورہ احادیث سے واضح ہے "مؤدب"، "تربیت یافتہ" کو کہتے ہیں۔ عظیم مؤدب وہ ہیں جن کی تربیت اللہ نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد واقعی مؤدب وہ ہیں جنہیں معصومین علیہم السلام نے تربیت دی ہے۔ ان کے بعد باشرف وہ لوگ جنہوں نے معصوم علیہ السلام سے میراث تربیت حاصل کی ہے۔

"تادیب" کیا ہے؟

تادیب کے معانی میں ایک معنی "جرم پر سزا دینا" بھی ہے۔ اس معنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تادیب، بلا ومصائب ومشکلات کے نزول کی صورت میں ہوتی ہے۔ البتہ مبتلائے بلا کی حیثیت سے تادیب کے نام الگ الگ ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّ الْبَلَآءَ لِلظَّالِمِ اَدَبٌ وَّ لِلْمُؤْمِنِ امْتِحَانٌ وَّ لِلْاَنْبِیَآءِ دَرَجَۃٌ وَّ لِلْاَوْلِیَآءِ کَرَامَۃٌ۔

سختی ومصیبت ظالم کیلئے سزا، مومن کیلئے امتحان، انبیاءؑ کیلئے درجہ اور اولیاء کیلئے

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۲۶۷۔

کرامت وعزت ہے۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

اَیُّمَا نَاشٍ نَشَأَ فِیْ قَوْمِهٖ ثُمَّ لَمْ یُؤَدَّبْ عَلٰی مَعْصِیَتِهٖ. فَاِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ اَوَّلُ مَا یُعَاقِبُهُمْ بِهٖ اَنْ یَنْقُصَ مِنْ اَرْزَاقِهِمْ۔

کوئی جوان اپنی قوم میں پروان پانے کے دوران گناہ کرے اور قوم اس کے گناہ پر اس کی تادیب نہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس قوم کے لوگوں کے رزق میں کمی کرکے انہیں اس کی سزا دیتا ہے۔[2]

✲✲✲✲✲

زمانۂ غیبت میں امام علیہ السلام سے مستفید ہونا

قَالَ سُلَیْمَانُ: قُلْتُ لِلصَّادِقِ علیہ السلام فَکَیْفَ یَنْتَفِعُ النَّاسُ بِالْحُجَّةِ الْغَائِبِ الْمَسْتُوْرِ؟ قَالَ: کَمَا یَنْتَفِعُوْنَ بِالشَّمْسِ اِذَا سَتَرَهَا السَّحَابُ۔

سلیمان کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: لوگ نظروں سے اوجھل غائب حجت (امام مہدی علیہ السلام) سے کیونکر فیض اٹھائیں گے؟۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: بالکل اسی طرح جس طرح وہ بادلوں کے پیچھے چھپے ہوئے سورج کی روشنی سے استفادہ کرتے ہیں۔

(بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۹۲)

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۴، ص ۲۳۵۔

[2] ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۲۲۳۔

پہلی قسط

ہجرت کا اسلامی تصور

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢١٨﴾﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور جہاد کیا، یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔[1]

ہجرت ایک انتہائی اہم فضیلت و کمال ہے جس کا قرآن و سنت میں بہت تذکرہ ہے اور اسے بہت بڑی فضیلت کا نام دیا گیا ہے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے جانشینوں کی عملی سیرت میں بھی اس کے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔ اس مقالے میں قرآن و سنت کے حوالے سے ''ہجرت'' کے اسلامی تصور کا مختصر مگر جامع جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ہجرت کا معنی واقسام

اسلامی نقطہ نظر سے راہ خدا کیلئے کوچ کرنا، وطن کو چھوڑنا ''ہجرت'' ہے۔ پس اگر کوئی شخص خدا کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے تو اسے ''ہجرت'' کہا جائے گا۔ اسی طرح گناہوں اور برائیوں کو چھوڑ دینا بھی ''ہجرت'' کہلاتا ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۸۔

مذکورہ تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ہجرت صغریٰ ۲۔ہجرت کبریٰ

ا۔ہجرت صغریٰ:

اس ہجرت میں انسان اپنے جسم و بدن سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے۔ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی جانب کوچ کرتا ہے۔

۲۔ہجرت کبریٰ:

ہجرت کبریٰ سے مراد باطنی ہجرت ہے۔ہجرت کبریٰ میں بھی سفر ہوا کرتا ہے مگر اس سفر کی نمائش اور پیمائش باطنی لحاظ سے ہے جس کا آغاز خداوند متعال سے محبت اور وابستگی سے شروع ہوتا ہے۔غیر خدا سے منہ موڑ کر خدا سے رشتہ جوڑنے کا نام ہجرت کبریٰ ہے۔سب سے اعلیٰ ہجرت یہی ہے کہ انسان باطل اور گناہوں کو چھوڑ کر حق اور نیکیوں کی طرف آجائے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِالْمُسْلِمِ؟ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ، وَ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السَّیِّئَاتِ وَ تَرَكَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔

کیا میں تمہیں آگاہ نہ کردوں کہ مسلمان کون ہوتا ہے؟ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور ''مہاجر'' وہ ہے جو گناہوں کو خیرباد کہے اور محرمات الٰہیہ سے اجتناب کرے۔[1]

پھر ارشاد فرمایا:

اَشْرَفُ الْهِجْرَةِ اَنْ تَهْجُرَ السَّیِّئَاتِ۔

باشرف ہجرت یہ ہے کہ انسان گناہوں کو ترک کردے۔[2]

---

[1] الکافی، ج ۳،ص ۵۹۶۔

[2] کنزالعمال، ج ۱،ص ۷ ۳۔

نیز ارشاد فرمایا:

اَفۡضَلُ الۡهِجۡرَةِ اَنۡ تَهۡجُرَ مَا کَرِهَ اللّٰهُ۔

افضل ہجرت یہ ہے کہ انسان ہر اس چیز کو چھوڑ دے جسے پروردگار ناپسند کرتا ہے۔[1]

تاریخ گواہ ہے کہ ایسے بہت سے مہاجرین فی سبیل اللہ گزرے ہیں جنہوں نے گناہوں کو چھوڑ کر نفسانی اور معنوی ہجرت کی ہے۔ حضرت حر کی میدان کربلا میں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے حضور حاضری اور جناب بشر حافی کی بغداد میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں توبہ اس روحانی ہجرت کی بہترین مثالیں ہیں۔

معرفت امام بھی ہجرت پر دلیل ہے

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا يَقَعُ اسۡمُ الۡهِجۡرَةِ عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا بِمَعۡرِفَةِ الۡحُجَّةِ فِي الۡاَرۡضِ فَمَنۡ عَرَفَهَا وَ اَقَرَّ بِهَا فَهُوَ مُهَاجِرٌ۔

کسی کیلئے ہجرت کا نام اس وقت تک صادق نہیں آتا جب تک وہ روئے زمین پر حجت خدا کی معرفت حاصل نہ کرے اور جب اس نے حجت خدا کی معرفت حاصل کر لی اور اس کا اقرار بھی کر لیا تو وہ مہاجر کہلائے گا۔[2]

یہ درحقیقت باطنی اور اعتقادی ہجرت ہے۔ اس قسم کی ہجرت کا مطلب گمراہی سے نکل کر ہدایت، جہل کو چھوڑ کر علم کی طرف اور باطل سے کنارہ کشی کر کے حق کی طرف آنا ہے۔

پھر جناب امیر علیہ السلام خطبہ قاصعہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ صِرۡتُمۡ بَعۡدَ الۡهِجۡرَةِ اَعۡرَابًا وَّ بَعۡدَ الۡمُوَالَاةِ اَحۡزَابًا. مَا تَتَعَلَّقُوۡنَ مِنَ الۡاِسۡلَامِ اِلَّا بِاسۡمِهٖ وَ لَا تَعۡرِفُوۡنَ مِنَ الۡاِيۡمَانِ اِلَّا رَسۡمَهٗ۔

---

[1] کنز العمال، ج ۱۶، ص ۶۵۷۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۸۹۔

یادرکھو! تم ہجرت کے بعد پھر صحرائی بدو ہو گئے ہو اور باہمی دوستی کے بعد پھر گروہوں میں بٹ گئے ہو۔ اسلام سے تمہاری وابستگی برائے نام رہ گئی ہے اور تمہارا ایمان محض رسم کی حد تک ہے۔ (یعنی درحقیقت ایمان سے قطعی دور ہو)۔[1]

بنیادی طور پر ہجرت کا مقصد تحفظ دین ہے۔ ہجرت صغریٰ بھی ہجرت کبریٰ کی حفاظت کیلئے ہوتی ہے، ورنہ وطن کو چھوڑنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا کوئی مقصد نہیں ہے۔ کوچ کا مقصد دین وتدین کا تحفظ اور حق وحقانیت کی بالادستی ہونا چاہیے۔ ہجرت فرار نہیں ہے بلکہ ایک احتجاج ہے۔ روایت میں ہے:

مَنْ فَرَّ بِدِيْنِهٖ مِنْ اَرْضٍ اِلٰى اَرْضٍ وَّاِنْ كَانَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ اسْتَوْجَبَ الْجَنَّةَ۔

اگر کوئی شخص اپنے دین کے تحفظ کیلئے (روحانی ہجرت) ایک جگہ سے دوسری جگہ (جسمانی ہجرت) کرتا ہے، اگرچہ وہ ایک بالشت ہی کیوں نہ ہو اس پر جنت واجب ہے۔[2]

پس معلوم ہوا کہ ہجرت صغریٰ، ہجرت کبریٰ کی حفاظت کیلئے ہونی چاہیے۔ مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جسمانی آسائش کیلئے روح اور باطن کو برباد کیا جاتا ہے۔ ہجرت صغریٰ کیلئے ہجرت کبریٰ کو قربان کیا جاتا ہے۔ دنیا کو آباد کرنے کیلئے آخرت کو تاراج کیا جاتا ہے۔

اسلام میں راہ فرار کی کوئی گنجائش نہیں ہے تاہم جتنا ممکن ہو ماحول سازی کریں اور اپنے ماحول کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں اور جہاں مسلسل جدوجہد کے بعد بھی ماحول میں تبدیلی نہیں لا سکتے اور یہ خطرہ ہو کہ ایسے ماحول میں اپنا ہی دین وعقیدہ فاسد ہو جائے گا تو ایسی جگہ سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ روحانی بیماریاں تدریجی طور پر بڑھتی ہیں۔ یہ اچانک نمودار نہیں ہوتیں بلکہ آہستہ آہستہ گھن کی طرح کھاتی رہتی ہیں۔ حضرت امام علی رضاؑ فرماتے ہیں:

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۲۔

[2] مجموعہ ورام، ج ۱، ص ۳۳۔

لَوْ عَرَفَ الرَّجُلُ الدِّيْنَ كَامِلًا لَمْ يَجُزْ لَهُ مُسَاكَنَةُ اَهْلِ الْجَهْلِ وَ الْخَوْفِ عَلَيْهِ لِاَنَّهُ لَا يُؤْمَنُ اَنْ يَقَعَ مِنْهُ تَرْكُ الْعِلْمِ وَ الدُّخُوْلُ مَعَ اَهْلِ الْجَهْلِ وَ التَّمَادِيْ فِيْ ذٰلِكَ۔

اگر کوئی شخص دین کی مکمل معرفت حاصل کرلے، اسے جاہل اور بے دین افراد کے ساتھ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں ہے۔(ایسا کرنا اس کیلئے خطرناک ہے)، کیونکہ اس بات کا اندیشہ رہے گا کہ وہ بھی (ان کی صحبت کی وجہ سے) اپنے علم کے خلاف عمل کرنے لگے اور جاہلوں کی طرح محرمات کا ارتکاب کرنے لگے۔[1]

اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جہالت اور فسق وفجور کا ماحول انسان پر کتنا اثر انداز ہوتا ہے۔ کمزور فکر وعقیدے کے لوگ فی الفور اسی ماحول میں ڈھل جاتے ہیں۔

ہجرت کے مدارج اور مراحل

ہجرت کبھی اپنے لئے اور کبھی دوسروں کیلئے ہوتی ہے۔یعنی کبھی انسان اپنے دین کا تحفظ چاہتا ہے تو کبھی دوسروں کے دین کو بچاتا ہے اور یہ ہجرت کا کمال درجہ ہے۔پس سب سے پہلے اپنی خودسازی کرے، پھر تطہیر منزل کی جائے، یعنی جو لوگ بھی اس کی سرپرستی میں ہیں ان کے دین کا تحفظ کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔گھر کا ماحول، علم کے حصول کا ماحول، دوست واحباب کا ماحول اور کام کاج کا ماحول سب کا دھیان رکھے۔پس مہاجر فی سبیل اللہ کے دو عظیم فرائض ہیں کہ پہلی منزل پر خود تعلیم حاصل کرے اور دوسرے مرحلے میں دوسروں کو سکھانے اور پڑھانے کی منزل پر آئے۔ پہلے خود سیکھے پھر دوسروں کو سکھائے۔قرآن نے کبھی ہجرت کا لفظ استعمال کیا تو کبھی ''نفر'' کا استعمال کیا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۵۶۷۔

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴿۱۲۲﴾

صاحبان ایمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب کے سب جہاد کیلئے نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کیلئے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ دین کا علم حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔ ؎۱

دینی معارف کے حصول کیلئے ہجرت کرنا پڑتی ہے۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھنے سے علوم وفنون حاصل نہیں ہوتے۔ زحمات اور مشقات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ایک جماعت ہجرت کرے تا کہ سب سے پہلے خود آگاہی اور پھر دوسروں کو ان معارف سے آشنا کرے۔

بلادِ مشرکین میں تبلیغ کا اجر

واضح رہے کہ اسلام میں ''معرب'' اور ''تعرب'' جائز نہیں ہے۔ یعنی اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان ہدایت کے بعد گمراہی، دین داری سے بے دینی اور علم حاصل کرنے کے بعد جہالت اختیار کرے یا پھر سالم ماحول کو چھوڑ کر فاسد ماحول کی طرف جائے۔

اس سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول درج ذیل حدیث غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مبلغین کی خوب راہنمائی کرتی ہے:

عَنْ حَمَّادٍ السَّمَنْدَرِيِّ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ علیہ السلام: إِنِّي أَدْخُلُ بِلَادَ الشِّرْكِ وَإِنَّ مَنْ عِنْدَنَا يَقُولُونَ: إِنْ مِتَّ ثَمَّ حُشِرْتَ مَعَهُمْ. قَالَ: فَقَالَ لِي: يَا حَمَّادُ! إِذَا كُنْتَ ثَمَّ تَذْكُرُ أَمْرَنَا وَتَدْعُو إِلَيْهِ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَإِذَا كُنْتَ فِي هٰذِهِ الْمُدُنِ مُدُنِ الْإِسْلَامِ تَذْكُرُ أَمْرَنَا وَتَدْعُو إِلَيْهِ. قَالَ: قُلْتُ: لَا. فَقَالَ لِي: إِنَّكَ إِنْ تَمُتْ ثَمَّ تُحْشَرْ أُمَّةً وَحْدَكَ وَيَسْعَىٰ نُورُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ۔

؎۱ سورۂ توبہ، آیت ۱۲۲۔

حماد سمندری سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں بلاد مشرکین کی طرف جا رہا ہوں۔ ہمارے ہاں کچھ لوگوں کا کہنا ہے: اگر تم وہاں مر گئے تو تمہارا شمار بھی انہی مشرکین کے ساتھ ہوگا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حماد! جب تم وہاں جاؤ گے تو کیا انہیں عقائد اور معارف حقہ بتاؤ گے اور انہیں ہمارے مشن کی تبلیغ کرو گے؟ میں عرض کی: جی مولا! امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ تم بلاد مسلمین اور اپنے ہاں بھی تبلیغی سرگرمیاں انجام دیتے ہو؟ میں نے عرض کی: فرزند رسولؐ! میں یہاں ان تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول نہیں ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا: (پس اگر تم نے بلاد مشرکین جا کر لوگوں کی ہدایت کی اور ہمارے مشن کو زندہ کیا) اور ایسی صورت میں تمہارا وہاں انتقال ہو جائے تو قیامت کے دن تم ایک امت کے طور پر محشور ہوگے اور تمہارے سامنے تمہارا نور چمکتا ہوا آگے بڑھے گا۔[1]

پس انسان کو چاہیے کہ وہ خود بھی ہجرت کرے اور دوسروں کو بھی منزل ہجرت پر لائے۔ پہلے خود معارف دین کو سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے۔ اسلام خود غرضی کا مذہب نہیں، بلکہ دوسروں تک فیض پہنچانے کا مکتب ہے۔ یہ ذاتیات تک محدود مذہب نہیں بلکہ اجتماعیات کا مکتب ہے۔

ہجرت کے مفہوم میں وسعت

قرآن کریم نے ہجرت کے مفہوم کو وسعت دی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ﴾

جو شخص اپنے گھر سے خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کرے پھر اسے (منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے) موت آ جائے تو خدا پر اس کا اجر لازم ہو گیا ہے۔[2]

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۵، ص ۱۲۹۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۱۰۰۔

اس آیہ مجیدہ میں دونوں ہجرتوں، ظاہری و باطنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس میں انفرادی ہجرت اور اجتماعی ہجرت، ابتدائی ہجرت اور مکمل و تکمیلی ہجرت بھی شامل ہے۔ یہاں کتنی جاذب اور خوبصورت تعبیر ہے: ﴿اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾: (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب) جو اس امر پر دلیل ہے کہ رسول خداؐ کی جانب ہجرت دراصل ہجرت الٰہیہ ہے۔ ﴿ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾: (پھر اسے منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے موت آجائے) یعنی ہجرت کے مفہوم میں عمر کی کوئی قید نہیں۔ جب تک زندگی ہے ہجرت کرتے رہو۔ قبر کے دھانے، لحد کے پتھر تک ہجرت یعنی معارف کو حاصل کرتے رہو اور اپنے دینی شعور اور معرفت کو بڑھاتے رہو۔

حضرت زُرارہؓ بہت عظیم شخصیت ہیں۔ یہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد اور صحابی ہیں۔ یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد کافی بوڑھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبید کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں علم دین حاصل کرنے کیلئے بھیجا۔ ایک دفعہ عبید گھر ملنے کیلئے آئے تو دیکھا کہ باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ کچھ راویوں نے یہی واقعہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بتایا کہ جناب زُرارہ کا بیٹا آپ کے ہاں زیر تعلیم تھا جب وہ واپس گیا تو باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّكُوْنَ زُرَارَةُ مِمَّنْ قَالَ اللّٰهُ: ﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾

مجھے امید ہے زُرارہ کو اس شخص جیسا اجر نصیب ہو گا جو اس آیت کریمہ کا مصداق ہے (جس میں ارشاد ہے:) ﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾۔[1]

حضرت زرارہ نے علوم آل محمدؐ کے حصول میں اپنے بچے کو بھیج کر ''مہاجر الی اللہ و رسولہ'' کا درجہ حاصل کیا ہے۔ اگر کوئی شخص خود علم دین کو حاصل کرنے کیلئے درسگاہ آل محمدؐ یعنی حوزہ علمیہ میں نہیں جا سکا

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۹۷۔

اور اپنے کسی عزیز و اقارب، دوست و احباب کو حصول علم دین کیلئے ترغیب و تشویق دلائے اور اسے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے مکتب میں بھرتی کراتا ہے تو وہ بھی درحقیقت خدا و رسولؐ کی طرف ہجرت کرنے والا ہے اور وہ بھی معرفت و شناخت میں حصہ دار قرار پائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص بھی معارف کو حاصل کرنے کیلئے گھر سے نکلتا ہے وہ ہجرت کے زمرے میں آتا ہے۔ چنانچہ جو شخص معارف دینی کے حصول کیلئے مسجد، مدرسہ، مرکز درس و بحث کی طرف قدم اٹھاتا ہے اور دوسروں کو ترغیب کرتا ہے تو وہ بھی مہاجر الی اللہ و رسولہ ہے۔

ہجرت صغریٰ اور جہاد اصغر کا باہمی ربط

ہجرت اور جہاد کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ جس طرح ہجرت کے مفہوم میں وسعت ہے، اسی طرح جہاد بھی بہت وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ جہاد کی بھی کئی اقسام ہیں۔ کبھی جہاد مالی ہوتا ہے تو کبھی بدنی، کبھی قلم سے تو کبھی زبان سے۔ چنانچہ ہر وہ کام جو کلمہ حق اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقدس نام کی سربلندی کیلئے انجام دیا جائے، اسے ''جہاد'' کہا جائے گا۔

قرآن مجید میں مجاہدین کی شان میں ارشاد رب العزت ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے اور لڑنے سے جی چراتے ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے اور وہ جو خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجے میں فضیلت بخشی ہے اور (گو) نیک وعدہ سب سے ہے لیکن اجر عظیم کے لحاظ سے خدا نے جہاد کرنے والوں کو

بیٹھ رہنے والوں پر کہیں فضیلت بخشی ہے۔[1]

اور پھر ہجرت کی عظمت و رفعت سے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً﴾

جو شخص راہ خدا میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں سکون وچین اور بافراغت کشادہ مقام حاصل کرے گا۔[2]

ہجرت صغریٰ اور جہاد اصغر بعض اوقات آپس میں مل جاتے ہیں کہ ہجرت کے ساتھ ساتھ جہاد بھی ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ہجرت کی جس کا مقصد دین کا تحفظ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اصلاح امت تھا تا کہ لوگوں کو طاغوت کی ولایت سے نکال کر الٰہی ولایت میں لایا جائے۔ اس تحریک میں آپ علیہ السلام نے خود ارشاد فرمایا تھا:

أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ قَالَ فِي حَيَاتِهِ: مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحُرُمِ اللهِ، نَاكِثًا لِعَهْدِ اللهِ، مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ، يَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، ثُمَّ لَمْ يُغَيِّرْ بِقَوْلٍ وَلَا فِعْلٍ، كَانَ حَقِيقًا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ۔

امابعد! تم بخوبی جانتے ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے دوران فرمایا تھا کہ: جو شخص بھی کسی ایسے ظالم حاکم کو دیکھے جو محرمات الٰہیہ کو حلال قرار دے، عہد الٰہی کو توڑنے کا ارتکاب کرے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی کرے اور اللہ کے بندوں کے درمیان گناہ وعصیان پر مبنی طرز عمل اپنائے اور یہ (سب دیکھنے والا) شخص زبان یا عمل سے اس کے خلاف اقدام نہ کرے تو اللہ کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اس شخص کو بھی وہیں داخل کرے جہاں اس ظالم حاکم داخل کرے گا۔[3]

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۹۵۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۱۰۰۔

[3] بحارالانوار، ج ۴۴، ص ۳۸۲۔

پس سرور شہیداں حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحریک میں ہجرت صغریٰ کے ساتھ ساتھ جہاد اصغر بھی ہے۔

جب تک اسلام ہے ہجرت بھی ہے

انبیاء و معصومین علیہم السلام نے بھی ہجرت کی تا کہ لوگوں کو ہجرت کی طرف لے آئیں۔ انہیں الٰہی پیغام دیں اور ان کی ہدایت کریں۔ یہ محافظین شریعت ہیں۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُسْتَحْفَظُوْنَ لِدِیْنِ اللهِ هُمُ الَّذِیْنَ اَقَامُوا الدِّیْنَ وَ نَصَرُوْهُ وَ حَاطُوْهُ مِنْ جَمِیْعِ جَوَانِبِهٖ وَ حَفِظُوْهُ عَلٰی عِبَادِ اللهِ وَ رَعَوْهُ۔

محافظین دین وہ ہیں جنہوں نے دین کو قائم کیا ہے اور اس کی نصرت میں پیش پیش رہے ہیں۔ یہ دین کے تمام امور کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ دین کو بندگان خدا کیلئے محفوظ اور اس کی حفاظت کرتے ہیں تا کہ دینی اقدر محفوظ رہیں۔[1]

واضح رہے کہ یہاں پر امام علیہ السلام نے ''انما المسلمین'' یا ''انما لمومنون'' نہیں فرمایا بلکہ ''انما لمستحفظون''، یعنی دین کی حفاظت کرنے والے فرمایا ہے جو کہ انبیاء و معصومین علیہم السلام ہیں، لہٰذا ان ہستیوں کے پیروکاروں کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ بھی دینی اقدار کی حفاظت میں پیش پیش رہیں۔

اسی طرح آنحضرت گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَیُّهَا النَّاسُ! هَاجِرُوْا وَ تَمَسَّكُوْا بِالْاِسْلَامِ. فَاِنَّ الْهِجْرَةَ لَا تَنْقَطِعُ۔

اے لوگو! ہجرت کرو اور اسلام کے ساتھ تمسک اختیار کرو، اس لئے کہ سلسلہ ہجرت کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔[2]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد گرامی ہے:

لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا دَامَ الْعَدُوُّ یُقَاتِلُ۔

---

[1] غرر الحکم، ص ۸۵۔

[2] کنز العمال، ج ۱۶، ص ۵۵۶۔

جب تک دشمن ہے اور اس سے مقابلہ جاری ہے تو ہجرت بھی جاری ساری ہے۔[1]

ہجرت اور دینداری

ہجرت کے مختلف مراتب ہیں۔ ہجرت عقلی لحاظ سے بھی ہوتی ہے تو کبھی نفسی اور کبھی قلبی اعتبار سے اور کبھی اعضاء و جوارح کے لحاظ سے ہجرت ہوتی ہے۔

عقلی ہجرت یہ ہے کہ انسان باطل عقائد کو چھوڑ کر عقائد حقہ کو قبول کرے۔

نفسانی ہجرت یہ ہے کہ انسان رذائل اخلاق کو چھوڑ کر اخلاق حسنہ اختیار کرے۔

اعضاء و جوارح کے لحاظ سے ہجرت یہ ہے کہ انسان برے اعمال کو چھوڑ کر اعمال صالحہ کو بجالائے۔

قلبی ہجرت یہ ہے کہ انسان غیر خدا سے دل موڑ کر خدا کی طرف آئے۔ اس کے دل میں صرف اللہ کی محبت ہو۔

ان ساری ہجرتوں کا خلاصہ ظاہری و باطنی ہجرت میں ہوتا ہے جن تمام کا محور خدا کے ساتھ وابستگی ہے اور الٰہی دین انسان کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے جو بذات خود ہجرت ہے۔ دینداری دراصل ہجرت کرنا ہے اور دیندار مہاجر فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔ مہاجر یعنی جو جان و مال سے گزر جائے۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ﴾

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں۔[2]

---

[1] کنز العمال، ج ۱۶، ص ۶۵۹۔

[2] سورۂ انفال، آیت ۷۲۔

واضح رہے کہ جان مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ جس میں جان دے دینے کی ہمت ہوتی ہے وہ مال سے بھی گزر جاتا ہے۔ متعدد روایات میں ہے کہ دیندار شخص اپنے تمام مالی وسائل کو راہ خدا میں قربان کرتا ہے۔ جب دین پر مسئلہ آتا ہے تو اپنا سب کچھ راہ خدا میں فدا کر دیتا ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِذَا حَضَرَتْ بَلِيَّةٌ فَاجْعَلُوْا اَمْوَالَكُمْ دُوْنَ اَنْفُسِكُمْ وَاِذَا نَزَلَتْ نَازِلَةٌ فَاجْعَلُوْا اَنْفُسَكُمْ دُوْنَ دِيْنِكُمْ۔

جب جان پر کوئی مصیبت آن پڑے تو مال کو قربان کر دو اور جب دین پر کوئی مصیبت آئے تو دین کے بجائے جان کو قربان کر دو۔[1]

یعنی مال فدائے جان ہو اور جان فدائے ایمان و قرآن ہو۔

روایت میں ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ: يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ! لَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ مِنْ دُنْيَاكُمْ اِذَا سَلِمَ دِيْنُكُمْ كَمَا لَا يَأْسٰى اَهْلُ الدُّنْيَا عَلٰى مَا فَاتَهُمْ مِنْ دِيْنِهِمْ اِذَا سَلِمَتْ دُنْيَاهُمْ۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا: اے بنی اسرائیل! اگر تمہیں دنیاوی نقصان پہنچے مگر تمہارا دین محفوظ رہے تو غم نہ کھاؤ، جیسا کہ دنیادار جب تک ان کی دنیا سلامت ہے خواہ دین ہاتھ سے چلا بھی جائے تو وہ کسی بھی قسم کی مایوسی کا شکار نہیں ہوتے۔[2]

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۶، ص ۱۹۲۔

[2] بحار الانوار، ج ۱۴، ص ۳۰۴۔

اہل بیتؑ کا اندازِ عبادت

قسط:25

از: آیت اللہ محمد محمدی ری شہری

ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی

ا۔ اہلبیتؑ کی عبادت میں اخلاص:

[1] اَلْاِمَامُ عَلِیٌّ علیہ السلام: مَا عَبَدْتُکَ طَمَعًا فِیْ جَنَّتِکَ، وَ لَا خَوْفًا مِّنْ نَّارِکَ، وَ لٰکِنْ وَجَدْتُکَ اَهْلًا لِّلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُکَ۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: خدایا میں نے تیری عبادت نہ تیری جنت کی طمع میں کی ہے اور نہ تیرے جہنم کے خوف سے، بلکہ تجھے عبادت کا اہل پایا ہے تو تیری عبادت کی ہے۔[1]

[2] عَنْهُ علیہ السلام: اِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا اللّٰهَ رَغْبَةً فَتِلْکَ عِبَادَةُ التُّجَّارِ، وَ اِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا اللّٰهَ رَهْبَةً فَتِلْکَ عِبَادَةُ الْعَبِيْدِ، وَ اِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا اللّٰهَ شُكْرًا فَتِلْکَ عِبَادَةُ الْاَحْرَارِ۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: ایک قوم نے اللہ کی عبادت رغبت کی بنا پر کی ہے اور یہ تاجروں کی عبادت ہے، دوسری قوم نے خوف کی بنا پر کی ہے تو یہ غلاموں کی عبادت ہے اور ایک قوم نے اس کی عبادت شکر نعمت کی بنیاد پر کی ہے اور یہی آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔[2]

[3] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام: (اِنَّ) الْعُبَّادَ ثَلَاثَةٌ: قَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَوْفًا فَتِلْکَ عِبَادَةُ الْعَبِيْدِ، وَ قَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی طَلَبَ الثَّوَابِ فَتِلْکَ عِبَادَةُ الْاُجَرَآءِ، وَ قَوْمٌ عَبَدُوا

---

[1] عوالی اللئالی، ج ۱، ص ۴۰۴، حدیث ۶۳ و ج ۲، ص ۱۱، حدیث ۱۸۔ شرح نہج البلاغۃ، البحرانی، ج ۵، ص ۳۶۱۔ واضح رہے کہ مذکورہ کتاب میں روایت کے الفاظ کچھ یوں نقل ہوئے ہیں: اِلٰهِیْ مَا عَبَدْتُکَ خَوْفًا مِّنْ عِقَابِکَ وَلَا طَمَعًا فِیْ ثَوَابِکَ بَلْ۔۔۔

[2] نہج البلاغۃ، حکمت نمبر ۲۳۷۔ تحف العقول، ص ۲۴۶۔ تاریخ دمشق، حالات امام سجادؑ، ص ۱۱۱، حدیث ۱۴۱۔

اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حُبًّا لَهُ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْأَحْرَارِ، وَهِيَ أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: عبادت گزاروں کی تین قسمیں ہیں: ایک قوم نے خوف کی بنیاد پر عبادت کی ہے تو یہ غلاموں کی عبادت ہے اور ایک قوم نے ثواب کی خواہش میں عبادت کی ہے تو یہ مزدوروں کی عبادت ہے۔ البتہ ایک قوم نے اس کی محبت میں عبادت کی ہے اور یہی آزاد مردوں کی عبادت ہے اور یہی بہترین عبادت ہے۔[1]

[4] اَلْإِمَامُ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ علیہ السلام: إِنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ أَعْبُدَ اللهَ لَا غَرَضَ لِيْ إِلَّا ثَوَابَهُ. فَأَكُوْنَ كَالْعَبْدِ الطَّمِعِ الْمُطِيْعِ. إِنْ طَمِعَ عَمِلَ وَ إِلَّا لَمْ يَعْمَلْ. وَ أَكْرَهُ أَنْ أَعْبُدَهُ (لَا غَرَضَ لِيْ) إِلَّا لِخَوْفِ عِقَابِهِ. فَأَكُوْنَ كَالْعَبْدِ السَّوْءِ أَنْ لَمْ يَخَفْ لَمْ يَعْمَلْ. قِيْلَ لَهُ: فَلِمَ تَعْبُدُهُ؟ قَالَ: لِمَا هُوَ أَهْلُهُ بِأَيَادِيْهِ عَلَيَّ وَإِنْعَامِهِ۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا فرمان ہے: مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ خدا کی عبادت کروں اور اس کا مقصد ثواب کے علاوہ کچھ نہ ہو اور اس طرح ایک لالچی بندہ بن جاؤں کہ اسے طمع ہو تو عبادت کرے اور نہ ہو تو نہ کرے اور یہ بھی ناپسند ہے کہ میرا محرک صرف عذاب کا خوف ہو اور اس طرح بدترین غلام بن جاؤں کہ خوف نہ ہو تو کام ہی نہ کرے۔ کسی نے دریافت کیا پھر آپؑ کیوں عبادت کرتے ہیں؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ لائق عبادت ہے اور اس کے انعامات میری گردن پر ہیں۔[2]

۲۔ اہلبیتؑ کا عبادت میں مشقت اٹھانا:

[5] اَلْإِمَامُ الْبَاقِرُ علیہ السلام: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عِنْدَ عَائِشَةَ لَيْلَتَهَا. فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، لِمَ تُتْعِبُ نَفْسَكَ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! أَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا؟! قَالَ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْمُ عَلَى أَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ. فَأَنْزَلَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: ﴿طٰهٰ ۝ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ۝﴾[3]۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی عائشہؓ کے حجرہ میں تھے تو انہوں

---

[1] الکافی، ۲، ص ۸۴، حدیث ۵۔

[2] تفسیر امام عسکری، ص ۳۲۸، حدیث ۱۸۰۔

[3] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۔۲۔

نے عرض کی: یارسول اللہؐ! آپؐ اس قدر زحمت عبادت کیوں برداشت کرتے ہیں، جبکہ خدا نے آپؐ کو ہر قسم کے گناہوں سے پاک رکھا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں خدا کا بندہ شکر گزار نہ بنوں؟۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: آپؐ عبادت کے دوران پنجوں کے بل کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے (سورہ طٰہٰ میں) ارشاد فرمایا: ''ہم نے قرآن اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ آپؐ مشقت میں پڑ جائیں''۔[1]

[6] عَآئِشَةُ: اِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ. فَقُلْتُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ قَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: اَفَلَا اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا؟!۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں: جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو اس قدر قیام فرماتے تھے کہ پیر پھٹنے لگتے تھے۔ (ایک دفعہ) میں نے عرض کی: یارسول اللہؐ! آپؐ اس قدر زحمت کیوں کرتے ہیں، جبکہ خدا نے آپؐ کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا؟ فرمایا: کیا میں بندہ شکر گزار بننا پسند نہ کروں۔[2]

[7] بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَ هُوَ مَوْقُوْذٌ. اَوْ قَالَ: مَحْمُوْمٌ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا اَشَدَّ وَعْكَكَ! فَقَالَ: مَا مَنَعَنِيْ ذٰلِكَ اِنْ قَرَأْتُ اللَّيْلَةَ ثَلَاثِيْنَ سُوْرَةً فِيْهِنَّ السَّبْعُ الطِّوَالُ. فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ وَ اَنْتَ تَجْهَدُ هٰذَا الْاِجْتِهَادَ؟! فَقَالَ: يَا عُمَرُ! اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا؟!۔

بکر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے ایام میں حضرت عمر بن خطابؓ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپؐ کس قدر اپنے کو تھکاتے ہیں؟ فرمایا: مجھے کس چیز نے اس سے منع کر رکھا ہے۔ کل شب میں نے تیس سوروں کی تلاوت کی ہے جن میں قرآن پاک کی طویل سورتیں بھی شامل تھیں۔ حضرت عمر نے عرض کی: خدا نے آپؐ کو تمام گناہوں سے محفوظ رکھا ہے اس کے باوجود بھی آپؐ اس قدر زحمت کرتے ہیں؟ فرمایا: کیا میں خدا کا بندۂ شکر گزار نہ بنوں۔[3]

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۹۵، حدیث ۲۔ احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۵۲۰۔

[2] صحیح بخاری، ج ۴، ص ۱۸۳۰، حدیث ۴۵۵۷۔ صحیح مسلم، ج ۴، ص ۲۱۷۲، حدیث ۲۸۲۰۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۶۸، حدیث ۴۱۲۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۵۶، حدیث ۱۴۱۹۔ مسند ابن حنبل، ج ۶، ص ۳۴۸، حدیث ۱۸۳۶۶۔

[3] امالی شیخ طوسیؒ، ص ۴۰۳، حدیث ۹۰۳۔

[8] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ التَّطَوُّعِ مِثْلَيِ الْفَرِيْضَةِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نمازوں سے دوگنی مستحب نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔[1]

[9] عَآئِشَةُ: كَانَ [رَسُوْلُ اللهِ ﷺ] يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَآئِمًا وَّ لَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لمبی راتوں میں کبھی کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے تھے اور کبھی بیٹھ کر۔[2]

[10] عائِشَةُ: قَلَّ ما كانَ يَنامُ [رسولُ اللهِ ﷺ] مِنَ اللَّيْلِ لَمّا قالَ اللهُ: ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲﴾[3]۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں: آیت مجیدہ ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲﴾ کے نازل ہونے سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی کم آرام فرماتے تھے۔[4]

[11] عائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں ذکر خدا کرتے رہتے تھے۔[5]

[12] اَلْاِمَامُ عَلِيٌّ علیہ السلام: اِنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ تَسْئَلُهٗ خَادِمًا. فَقَالَ: اَلَا اُخْبِرُكِ مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكِ مِنْهُ؟ تُسَبِّحِيْنَ اللهَ عِنْدَ مَنَامِكِ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِيْنَ، وَ تَحْمَدِيْنَ اللهَ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِيْنَ، وَ تُكَبِّرِيْنَ اللهَ اَرْبَعًا وَّ ثَلَاثِيْنَ. فَمَا تَرَكْتُهَا بَعْدُ. قِيْلَ: وَ لَا لَيْلَةَ صِفِّيْنَ؟ قَالَ: وَ لَا لَيْلَةَ صِفِّيْنَ۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: (ایک مرتبہ) حضرت فاطمہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خادمہ کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں اس سے بڑی شے بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سوتے وقت

---

[1] الکافی، ج ۳، ص ۴۴۳، حدیث ۳۔ تہذیب الاحکام، ج ۲، ص ۴، حدیث ۳۔ الاستبصار، ج ۱، ص ۲۱۸، حدیث ۷۷۳۔

[2] صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۰۴، حدیث ۱۰۵۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۳، حدیث ۳۷۵۱۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۳۸۸، حدیث ۱۲۲۸۔ سنن نسائی، ج ۳، ص ۲۱۹۔ مسند ابن حنبل، ج ۹، ص ۳۹۳، حدیث ۲۴۷۲۳۔

[3] سورۂ مزمل، آیت ۲۔ ترجمہ: ''(اے چادر اوڑھنے والے!) رات کو قیام کرو، مگر تھوڑی سی رات''۔

[4] مسند ابو یعلیٰ، ج ۴، ص ۲۶۶، حدیث ۴۹۱۸۔

[5] صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۸۲، حدیث ۱۱۷۔ سنن ترمذی، ج ۵، ص ۴۶۳، حدیث ۳۳۸۴۔ سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵، حدیث ۱۸۔

۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (کی تسبیح پڑھ لیا کرو، دن بھر کی تمام تھکن دور ہوجائے گی)۔ (حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:) اس کے بعد میں نے کبھی اس تسبیح کو ترک نہیں کیا۔ ایک شخص نے پوچھا: (مولا!) صفین کی رات بھی؟ فرمایا: ہاں صفین کی رات بھی۔[۱]

[13] عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: كُنَّا جُلُوْسًا فِيْ مَجْلِسٍ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. فَتَذَاكَرْنَا أَعْمَالَ أَهْلِ بَدْرٍ وَّ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ. فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَآءِ: يَا قَوْمِ! أَلَآ أُخْبِرُكُمْ بِأَقَلِّ الْقَوْمِ مَالًا وَ أَكْثَرِهِمْ وَرَعًا وَّ أَشَدِّهِمُ اجْتِهَادًا فِي الْعِبَادَةِ؟ قَالُوْا: مَنْ؟ قَالَ: عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ علیہ السلام۔

عروۃ بن زبیر بیان کرتے ہیں: ہم سب مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے اصحاب بدر و بیعت رضوان کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو ابن درداء نے کہا: کیا میں تم لوگوں کو ایک ایسے شخص کے بارے میں بتاؤں جو ساری قوم میں مال کے اعتبار سے سب سے کمزور، تقویٰ میں سب سے طاقتور اور عبادت میں سب سے زیادہ زحمت کرنیوالے ہیں؟ کہا: وہ کون ہیں؟ کہا: وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے۔[۲]

[14] حَبَّةُ الْعُرَنِيُّ: بَيْنَا أَنَا وَ نَوْفٌ نَآئِمَيْنِ فِيْ رَحْبَةِ الْقَصْرِ إِذْ نَحْنُ بِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام فِيْ بَقِيَّةٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى الْحَآئِطِ شِبْهَ الْوَالِهِ، وَ هُوَ يَقُوْلُ: ﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ ...﴾[۳]. قَالَ: ثُمَّ جَعَلَ يَقْرَأُ هٰذِهِ الْأٰيَاتِ وَ يَمُرُّ شِبْهَ الطَّآئِرِ عَقْلُهُ. فَقَالَ: أَرَاقِدٌ يَا حَبَّةُ! أَمْ رَامِقٌ؟ قُلْتُ: رَامِقٌ. هٰذَآ أَنْتَ تَعْمَلُ هٰذَا الْعَمَلَ فَكَيْفَ نَحْنُ؟! قَالَ: فَأَرْخٰى عَيْنَيْهِ فَبَكٰى. ثُمَّ قَالَ لِيْ: يَا حَبَّةُ! إِنَّ لِلّٰهِ مَوْقِفًا، وَلَنَا بَيْنَ يَدَيْهِ مَوْقِفٌ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالِنَا. يَا حَبَّةُ! إِنَّ اللّٰهَ أَقْرَبُ إِلَيْكَ وَ إِلَيَّ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. يَا حَبَّةُ! إِنَّهُ لَنْ يَحْجُبَنِيْ وَ لَآ إِيَّاكَ عَنِ اللّٰهِ شَيْءٌ. ثُمَّ قَالَ: أَرَاقِدٌ أَنْتَ يَا نَوْفُ؟ قَالَ: لَا يَآ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَآ أَنَا بِرَاقِدٍ وَّ لَقَدْ أَطَلْتَ بُكَآئِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ. فَقَالَ: يَا نَوْفُ! إِنْ طَالَ بُكَآؤُكَ فِيْ هٰذَا اللَّيْلِ مَخَافَةً مِّنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَرَّتْ عَيْنَاكَ غَدًا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. يَا نَوْفُ! إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ قَطْرَةٍ قَطَرَتْ مِنْ عَيْنِ رَجُلٍ مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ إِلَّا أَطْفَأَتْ بِحَارًا مِّنَ النِّيْرَانِ. يَا نَوْفُ! إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ رَّجُلٍ أَعْظَمَ

---

[۱] صحیح بخاری، ج ۵، ص ۲۰۴۱، حدیث ۵۰۴۴۔ صحیح مسلم، ج ۴، ص ۲۰۹۱، حدیث ۲۷۲۷۔ مسند الحمیدی، ج ۱، ص ۲۴، حدیث ۴۳۔ تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۲۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۳۳۲، حدیث ۱۳۱۲۔

[۲] امالی شیخ صدوقؒ ص ۲۷، حدیث ۹۔ روضۃ الواعظین ص ۱۲۵۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۲۴۔

[۳] سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰۔

مَنْزِلَةً عِنْدَ اللهِ مِنْ رَجُلٍ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ وَ اَحَبَّ فِي اللهِ وَ اَبْغَضَ فِي اللهِ. يَا نَوْفُ! مَنْ اَحَبَّ فِي اللهِ لَمْ يَسْتَأْثِرْ عَلٰى مَحَبَّتِهٖ، وَ مَنْ اَبْغَضَ فِي اللهِ لَمْ يُنِلْ مُبْغِضِيْهِ خَيْرًا. عِنْدَ ذٰلِكَ اسْتَكْمَلْتُمْ حَقَآئِقَ الْاِيْمَانِ. ثُمَّ وَعَظَهُمَا وَ ذَكَّرَهُمَا. وَ قَالَ فِيْ اَوَاخِرِهٖ: ۔فَكُوْنُوْا مِنَ اللهِ عَلٰى حَذَرٍ. فَقَدْ اَنْذَرْتُكُمَا. ثُمَّ جَعَلَ يَمُرُّ وَ هُوَ يَقُوْلُ: لَيْتَ شِعْرِيْ فِيْ غَفَلَاتِيْ اَمُعْرِضٌ اَنْتَ عَنِّيْ اَمْ نَاظِرٌ اِلَيَّ؟! وَ لَيْتَ شِعْرِيْ فِيْ طُوْلِ مَنَامِيْ وَ قِلَّةِ شُكْرِيْ فِيْ نِعَمِكَ عَلَيَّ مَا حَالِيْ؟ قَالَ: فَوَاللهِ! مَا زَالَ فِيْ هٰذَا الْحَالِ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ۔

حَبّہ عُرَنی بیان کرتے ہیں: میں اور نوف بکالی دارالامارہ کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کو دیکھا۔ آپؑ رات کے سناٹے میں دارالامارہ کی دیوار پر ہاتھ رکھے ان آیات: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ...﴾[1] کی تلاوت کررہے ہیں اور اس کے بعد اسی عالم استغراق میں آپؑ نے میری طرف رخ کرکے فرمایا: ''حبہ! جاگ رہے ہو یا سو رہے ہو؟'' میں نے عرض کی: (مولا!) میں جاگ رہا ہوں، (مولا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟) جب آپؑ کی بیقراری کا یہ عالم ہے تو ہم گنہگاروں کا کیا حال ہوگا؟ یہ سن کر آپؑ نے زار و قطار رونا شروع کردیا۔ پھر فرمایا: ''حبہ! دیکھو

---

[1]۔ واضح رہے کہ ان آیات سے سورۂ آل عمران کی آیات: ۱۹۰ تا ۱۹۴ مراد ہیں جنہیں یہاں پر ترجمے سمیت درج کیا جارہا ہے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۝﴾: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور گردشِ لیل و نہار میں عقلمندوں کیلئے (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔ جو لوگ اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے (غرض ہر حال میں) خدا کا ذکر اور آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور و فکر کرتے ہیں اور (بے ساختہ) کہہ اٹھتے ہیں کہ خداوندا! تو نے اس کو بے کار پیدا نہیں کیا، تو (فعل عبث سے) پاک و منزہ ہے، پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ پروردگارا! تو جس شخص کو عذاب دینے کیلئے جہنم میں داخل کرے، اسے تو نے ذلیل و رسوا کردیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اے ہمارے پالنے والے! جب ہم نے ایمان کی دعوت دینے والے منادی کی صدا کو سنا جو کہہ رہا تھا: اپنے خالق پر ایمان لے آؤ! تو ہم ایمان لے آئے۔ پس اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کردے اور ہمیں نیکوکاروں کی معیت میں اپنے ہاں بلانا۔ اے ہمارے پروردگار! جو کچھ تو نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے عہد و پیمان کیا ہے اس کو پورا فرمادے اور ہمیں روز قیامت کی ذلت سے بچالے، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

ہمیں بھی پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اور اس سے کسی شخص کے اعمال پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ ہم سے اور تم سے رگ گردن سے زیادہ قریب تر ہے اور کوئی شے ہمارے اور اس کے درمیان حائل نہیں ہوسکتی ہے''۔ اس کے بعد آپؑ نے نوف کی طرف رخ کر کے فرمایا: ''کیا تم سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو؟'' نوف نے عرض کی: یا امیر المومنینؑ! ویسے تو میں بیدار ہوں، لیکن آج کی شب آپؑ نے بہت رلایا۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: ''نوف! اگر اس شب میں تمہارا یہ گریہ خوف خدا سے تھا تو کل روز قیامت تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ نوف! یاد رکھو، خوف خدا میں جو ایک قطرہ اشک آنکھوں سے نکل آتا ہے وہ جہنم کی آگ کے دریاؤں کو بجھا سکتا ہے۔ پروردگار کی نگاہ میں اس سے عظیم تر کوئی انسان نہیں ہے جو روئے تو خوف خدا میں روئے اور محبت یا دشمنی کرے تو وہ بھی خدا کیلئے کرے۔ دیکھو! جو خدا کیلئے محبت کرتا ہے وہ اس کی محبت پر کسی محبت کو مقدم نہیں کرتا ہے اور جو برائے خدا دشمنی کرتا ہے اس کے دشمن کیلئے کوئی خیر نہیں ہے اور ایسی ہی محبت اور عداوت سے انسان کا ایمان کامل ہوتا ہے''۔ اس کے بعد حضرتؑ نے دونوں افراد کو موعظہ فرمایا اور آخر میں فرمایا: ''اللہ کی طرف سے ہوشیار رہنا کہ میں نے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے''۔ اس کے بعد آپؑ یہ مناجات کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ: ''خدایا! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ غفلتوں کی حالت میں بھی تیری نگاہ کرم رہتی ہے یا تو منہ پھیر لیتا ہے؟ اور کاش مجھے یہ اندازہ ہوتا کہ اس طویل نیند اور قلیل شکر کے بعد بھی تو نعمتیں عطا فرما رہا ہے تو اب میرا کیا حال ہونے والا ہے''۔ اس کے بعد اسی عالم میں آپؑ فریاد کرتے رہے یہاں تک طلوع فجر کا وقت آ گیا۔[1]

[15] اَبُوْ صَالِحٍ: دَخَلَ ضِرَارُ بْنُ ضَمْرَةَ الْكِنَانِيُّ عَلٰى مُعَاوِيَةَ. فَقَالَ لَهُ: صِفْ لِيْ عَلِيًّا. فَقَالَ: اَوَ تُعْفِيْنِيْ يَاۤ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قَالَ: لَاۤ اُعْفِيْكَ. قَالَ: اَمَّا اِذْ لَا بُدَّ فَاَشْهَدُ بِاللهِ لَقَدْ رَاَيْتُهُ فِيْ بَعْضِ مَوَاقِفِهٖ وَ قَدْ اَرْخَى اللَّيْلُ سُدُوْلَهُ. وَ غَارَتْ نُجُوْمُهُ. يَمِيْلُ فِيْ مِحْرَابِهٖ قَابِضًا عَلٰى لِحْيَتِهٖ. يَتَمَلْمَلُ تَمَلْمُلَ السَّلِيْمِ، وَ يَبْكِيْ بُكَآءَ الْحَزِيْنِ. فَكَاَنِّيْ اَسْمَعُهُ الْاٰنَ وَ هُوَ يَقُوْلُ: يَا رَبَّنَا يَا رَبَّنَا. يَتَضَرَّعُ اِلَيْهِ. ثُمَّ يَقُوْلُ لِلدُّنْيَا: اِلَيَّ تَغَرَّرْتِ؟! اِلَيَّ تَشَوَّفْتِ؟! هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ. غُرِّيْ غَيْرِيْ. قَدْ بَتَّتُّكِ ثَلَاثًا. فَعُمْرُكِ قَصِيْرٌ. وَ مَجْلِسُكِ حَقِيْرٌ. وَ خَطَرُكِ يَسِيْرٌ. اٰهِ اٰهِ مِنْ

[1] فلاح السائل، ص۲۶۶۔

قِلَّةِ الزَّادِ، وَ بُعْدِ السَّفَرِ، وَ وَحْشَةِ الطَّرِيْقِ. فَوَكَفَتْ دُمُوْعُ مُعَاوِيَةَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ مَا يَمْلِكُهَا، وَ جَعَلَ يُنَشِّفُهَا بِكُمِّهٖ وَ قَدِ اخْتَنَقَ الْقَوْمُ بِالْبُكَآءِ. فَقَالَ: كَذَا كَانَ اَبُو الْحَسَنِ؛ كَيْفَ وَجْدُكَ عَلَيْهِ يَا ضِرَارُ؟ قَالَ: وَجْدُ مَنْ ذُبِحَ وَاحِدُهَا فِيْ حِجْرِهَا. لَا تَرْقَأُ دَمْعَتُهَا وَ لَا يَسْكُنُ حُزْنُهَا. ثُمَّ قَامَ فَخَرَجَ۔

ابوصالح ضرار بن ضمرہ کنانی امیر شام کے دربار میں وارد ہوئے تو اس نے کہا: ذرا علی علیہ السلام کے اوصاف تو بیان کرو؟ ضرار نے کہا: اے امیر! مجھے معاف کر دے تو بہتر ہے۔ امیر شام نے کہا: ہرگز نہیں۔ ضرار نے کہا: اگر بیان ضروری ہے تو سن! خدا گواہ ہے کہ میں نے بعض اوقات اندھیری رات میں جب ستارے ڈوب چکے تھے یہ دیکھا ہے کہ علی علیہ السلام محراب عبادت میں داڑھی پر ہاتھ رکھے ہوئے یوں تڑپ رہے تھے جس طرح مار گزیدہ تڑپتا ہے اور پھر بیقراری کے ساتھ گریہ کر رہے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ میں اس وقت بھی یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ وہ پروردگار کو رو رو کر پکار رہے ہیں اور پھر دنیا کو خطاب کر کے کہہ رہے ہیں: اے دنیا! تیرا رخ میری طرف کیوں ہو گیا ہے، افسوس کہ تو بلاوجہ زحمت کر رہی ہے، جا کسی اور کو دھوکہ دینا، میں تجھے تین بار ٹھکرا چکا ہوں، تیری عمر بہت مختصر ہے اور تیری منزل بہت حقیر ہے اور تیرا خطرہ بہت عظیم ہے، آہ، آہ! زادِ سفر کس قدر کم ہے اور سفر کس قدر طولانی ہے اور راستہ بھی کس قدر وحشت ناک ہے!!۔ یہ سن کر امیر شام کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور اس نے آستین سے آنسوؤں کو پونچھنا شروع کر دیا اور سارے دربار پر گریہ طاری ہو گیا۔ امیر شام نے کہا: یقیناً ابوالحسنؑ ایسے ہی تھے۔ ضرار! اب علیؑ کے بعد تمہارا کیا حال ہے؟ ضرار نے کہا: جیسے کسی ماں کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے کہ نہ اس کے آنسو رک سکتے ہیں اور نہ اس کے دل کو سکون مل سکتا ہے۔ ضرار یہ کہہ کر اٹھے اور دربار سے باہر نکل گئے۔[1]

[16] اَلْاِمَامُ الْحَسَنُ علیہ السلام: رَاَيْتُ اُمِّيْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ قَآئِمَةً فِيْ مِحْرَابِهَا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلَمْ تَزَلْ رَاكِعَةً سَاجِدَةً حَتّٰى انْفَجَرَ عَمُوْدُ الصُّبْحِ، وَ سَمِعْتُهَا تَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص ۸۴۔ الصواعق المحرقۃ، ص ۱۳۱۔ مروج الذہب، ج ۲، ص ۴۳۳۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۰۹۔ خصائص الائمہ، ص ۷۰۔ کنز الفوائد، ج ۲، ص ۱۰۳۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۰۳۔ نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۷۷۔

وَ تُسَمِّيهِمْ وَ تُكْثِرُ الدُّعَاءَ لَهُمْ وَ لَا تَدْعُوْ لِنَفْسِهَا بِشَيْءٍ. فَقُلْتُ: يَآ اُمَّاهُ! لِمَ لَا تَدْعِيْنَ لِنَفْسِكِ كَمَا تَدْعِيْنَ لِغَيْرِكِ؟ فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ! الْجَارَ، ثُمَّ الدَّارَ۔

حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنی مادر گرامی (حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا) کو دیکھا کہ شب جمعہ محراب عبادت میں مصروف رکوع و سجود رہیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی۔ میں نے سنا کہ آپؑ مسلسل مومنین اور مومنات کے حق میں نام بنام دُعا کرتی رہیں اور ایک حرف دُعا بھی اپنے حق میں نہیں کہا۔ میں نے عرض کی: مادر گرامی! آپؑ دوسروں کے حق میں دُعا کر رہی ہیں، اپنے واسطے کیوں دُعا نہیں کرتی ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: بیٹا! پہلے ہمسایہ اس کے بعد اپنا گھر۔[1]

[17] اَلْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ: مَا كَانَ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَعْبَدُ مِنْ فَاطِمَةَ. كَانَتْ تَقُوْمُ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهَا۔

حسن بصری کہتے ہیں: اس امت میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے زیادہ عبادت گزار کوئی نہیں گزرا ہے۔ آپؑ رات بھر مصلّٰی پر کھڑی رہتی تھیں یہاں تک کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا۔[2]

[18] عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ۔ لَمَّا سَمِعَ بِمَقْتَلِ الْحُسَيْنِ علیہ السلام: اَمَا وَ اللّٰهِ! لَقَدْ قَتَلُوْهُ! طَوِيْلًا بِاللَّيْلِ قِيَامُهُ، كَثِيْرًا فِي النَّهَارِ صِيَامُهُ۔

مروی ہے کہ: عبداللہ بن زبیر نے شہادت امام حسین علیہ السلام کی خبر سن کر یہ کلمات زبان پر جاری کئے: خدا کی قسم! انہوں نے اس عظیم ہستی کو مارا ہے جو راتوں کو اکثر قیام کیا کرتی تھی اور دنوں میں اکثر روزے رکھا کرتی تھی۔[3]

[19] اَلْيَعْقُوْبِيُّ فِيْ تَارِيْخِهِ: قِيْلَ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: مَآ اَقَلَّ وُلْدَ اَبِيْكَ! قَالَ: الْعَجَبُ كَيْفَ وُلِدْتُ لَهُ. اِنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ اَلْفَ رَكْعَةٍ فَمَتٰى كَانَ يَفْرُغُ لِلنِّسَآءِ؟!۔

یعقوبی اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں: حضرت علیؑ بن الحسینؑ امام سجاد علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپؑ

---

[1] دلائل الامامۃ، ص ۱۵۲، حدیث ۶۵۔ علل الشرائع، ص ۱۸۱، حدیث ۱۔ کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۹۴۔ ضیافۃ الاخوان، ص ۲۶۵۔

[2] مناقب ابن شہرآشوب، ج ۳، ص ۳۴۱۔ ربیع الابرار، ج ۲، ص ۱۰۴۔

[3] تاریخ طبری، ج ۵، ص ۴۷۵۔ مقتل ابومخنف، ص ۲۴۷۔

کے والد محترم کی اولاد اس قدر کم کیوں ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: مجھے تو اتنی اولاد پر بھی تعجب ہے، کیونکہ آپؑ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے تو انہیں گھر والوں کے ساتھ رہنے کا موقع کب ملتا تھا؟۔[1]

[20] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عليه السلام : كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عليه السلام شَدِيْدَ الاِجْتِهَادِ فِي الْعِبَادَةِ. نَهَارُهٗ صَآئِمٌ، وَ لَيْلَهٗ قَآئِمٌ. فَاَضَرَّ ذٰلِكَ بِجِسْمِهٖ. فَقُلْتُ لَهٗ: يَآ اَبَهْ! كَمْ هٰذَا الدُّؤُوْبُ؟! فَقَالَ: اَتَحَبَّبُ اِلٰى رَبِّيْ لَعَلَّهٗ يُزْلِفُنِيْ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام عبادات میں بے حد زحمت برداشت کیا کرتے تھے۔ دنوں میں روزہ رکھتے تھے اور راتوں میں نمازیں پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ بیمار ہوگئے تو میں نے عرض کی: بابا! کب تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا؟ فرمایا: میں اپنے پروردگار کا قرب چاہتا ہوں، شاید وہ اس طرح اپنی بارگاہ میں جگہ دیدے۔[2]

[21] عَنْهُ عليه السلام : كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اِذَا اَخَذَ كِتَابَ عَلِيٍّ عليه السلام فَنَظَرَ فِيْهِ. قَالَ: مَنْ يُّطِيْقُ هٰذَا؟! مَنْ يُّطِيْقُ ذَا؟! قَالَ: ثُمَّ يَعْمَلُ بِهٖ. وَ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ حَتّٰى يُعْرَفُ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهٖ. وَ مَا اَطَاقَ اَحَدٌ عَمَلَ عَلِيٍّ عليه السلام مِنْ وُّلْدِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ اِلَّا عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جب حضرت علی علیہ السلام کی کتاب کا مطالعہ فرماتے تھے اور ان کی عبادتوں کا ذکر دیکھتے تھے تو فرماتے تھے: اس قدر عمل کون کرسکتا ہے؟! یہ کس کے بس کی بات ہے؟! اس کے بعد پھر اسی کے مطابق عمل شروع کردیتے تھے۔ مصلّی پر نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور واضح طور پر اثرات ظاہر ہونے لگتے تھے اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی اولاد میں صرف حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہی تھے جو اپنے جد حضرت علی علیہ السلام جیسی عبادت کیا کرتے تھے۔[3]

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۴۷ _ العقد الفرید، ج ۲، ص ۲۴۳ _ فلاح السائل، ص ۲۶۹۔

[2] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۵۵۔

[3] الکافی، ج ۸، ص ۱۶۳، حدیث ۱۷۲۔

[22] عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِنْدٍ الْجَمَلِيُّ عَنِ الْإِمَامِ الْبَاقِرِ ؑ: إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ لَمَّا نَظَرَتْ إِلَى مَا يَفْعَلُ ابْنُ أَخِيْهَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بِنَفْسِهِ مِنَ الدَّأْبِ فِي الْعِبَادَةِ أَتَتْ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حِزَامٍ الْأَنْصَارِيَّ. فَقَالَتْ لَهُ: يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ! إِنَّ لَنَا عَلَيْكُمْ حُقُوْقًا. وَ مِنْ حَقِّنَا عَلَيْكُمْ أَنْ إِذَا رَأَيْتُمْ أَحَدَنَا يُهْلِكُ نَفْسَهُ اجْتِهَادًا أَنْ تُذَكِّرُوْهُ اللهَ وَ تَدْعُوْهُ إِلَى الْبُقْيَا عَلَى نَفْسِهِ. وَ هٰذَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بَقِيَّةُ أَبِيْهِ الْحُسَيْنِ قَدِ انْخَرَمَ أَنْفُهُ وَ ثَفِنَتْ جَبْهَتُهُ وَ رُكْبَتَاهُ وَرَاحَتَاهُ دَأْبًا مِنْهُ لِنَفْسِهِ فِي الْعِبَادَةِ. فَأَتَى جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بَابَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. وَ بِالْبَابِ أَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فِيْ أُغَيْلِمَةٍ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ قَدِ اجْتَمَعُوْا هُنَاكَ. فَنَظَرَ جَابِرٌ إِلَيْهِ مُقْبِلًا فَقَالَ: هٰذِهِ مِشْيَةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ سَجِيَّتُهُ. فَمَنْ أَنْتَ يَا غُلَامُ؟ فَقَالَ: أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ. فَبَكَى جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. ثُمَّ قَالَ: أَنْتَ وَاللهِ الْبَاقِرُ عَنِ الْعِلْمِ حَقًّا. أُدْنُ مِنِّيْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ. فَدَنَا مِنْهُ فَحَلَّ جَابِرٌ إِزَارَهُ وَ وَضَعَ يَدَهُ فِيْ صَدْرِهِ. فَقَبَّلَهُ وَ جَعَلَ عَلَيْهِ خَدَّهُ وَ وَجْهَهُ وَ قَالَ لَهُ: أُقْرِئُكَ عَنْ جَدِّكَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ السَّلَامَ. وَ قَدْ أَمَرَنِيْ أَنْ أَفْعَلَ بِكَ مَا فَعَلْتُ. وَ قَالَ لِيْ: يُوْشِكُ أَنْ تَعِيْشَ وَ تَبْقَى حَتَّى تَلْقَى مِنْ وُلْدِيْ مَنِ اسْمُهُ مُحَمَّدٌ يَبْقَرُ الْعِلْمَ بَقْرًا. وَ قَالَ لِيْ: إِنَّكَ تَبْقَى حَتَّى تَعْمَى ثُمَّ يُكْشَفُ لَكَ عَنْ بَصَرِكَ. ثُمَّ قَالَ لِيْ: ائْذَنْ لِيْ عَلَى أَبِيْكَ. فَدَخَلَ أَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَى أَبِيْهِ فَأَخْبَرَهُ الْخَبَرَ وَ قَالَ: إِنَّ شَيْخًا بِالْبَابِ وَ قَدْ فَعَلَ بِيْ كَيْتَ وَ كَيْتَ. فَقَالَ: يَا بُنَيَّ! ذٰلِكَ جَابِرُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ. ثُمَّ قَالَ: أَمِنْ بَيْنِ وِلْدَانِ أَهْلِكَ قَالَ لَكَ مَا قَالَ وَ فَعَلَ بِكَ مَا فَعَلَ؟ قَالَ: نَعَمْ. إِنَّا لِلّٰهِ. إِنَّهُ لَمْ يَقْصُدْكَ فِيْهِ بِسُوْءٍ وَ لَقَدْ أَشَاطَ بِدَمِكَ. ثُمَّ أَذِنَ لِجَابِرٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ. فَوَجَدَهُ فِيْ مِحْرَابِهِ قَدْ أَنْضَتْهُ الْعِبَادَةُ. فَنَهَضَ عَلِيٌّ ؑ فَسَأَلَهُ عَنْ حَالِهِ سُؤَالًا حَفِيًّا ثُمَّ أَجْلَسَهُ بِجَنْبِهِ. فَأَقْبَلَ جَابِرٌ عَلَيْهِ يَقُوْلُ: يَا بْنَ رَسُوْلِ اللهِ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللهَ تَعَالَى إِنَّمَا خَلَقَ الْجَنَّةَ لَكُمْ وَلِمَنْ أَحَبَّكُمْ وَ خَلَقَ النَّارَ لِمَنْ أَبْغَضَكُمْ وَ عَادَاكُمْ. فَمَا هٰذَا الْجَهْدُ الَّذِيْ كَلَّفْتَهُ نَفْسَكَ؟ قَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ جَدِّيْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدْ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَأَخَّرَ فَلَمْ يَدَعِ الْاِجْتِهَادَ لَهُ. وَ تَعَبَّدَ. بِأَبِيْ هُوَ وَ أُمِّيْ. حَتَّى انْتَفَخَ السَّاقُ وَ وَرِمَ الْقَدَمُ. وَ قِيْلَ لَهُ: أَتَفْعَلُ هٰذَا وَ قَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا

شَكُوْرًا؟! فَلَمَّا نَظَرَ جَابِرٌ إِلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَ لَيْسَ يُغْنِيْ فِيْهِ مِنْ قَوْلٍ يَسْتَمِيْلُهُ مِنَ الْجَهْدِ وَ التَّعَبِ إِلَى الْقَصْدِ، قَالَ لَهُ: يَا بْنَ رَسُوْلِ اللهِ! الْبُقْيَا عَلَى نَفْسِكَ، فَإِنَّكَ لَمِنْ أُسْرَةٍ بِهِمْ يُسْتَدْفَعُ الْبَلَآءُ وَ تُسْتَكْشَفُ اللَّاوَآءُ وَ بِهِمْ تُسْتَمْطَرُ السَّمَآءُ. فَقَالَ: يَا جَابِرُ! لَا أَزَالُ عَلَى مِنْهَاجِ أَبَوَيَّ مُؤْتَسِيًا بِهِمَا صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمَا حَتّٰى أَلْقَاهُمَا. فَأَقْبَلَ جَابِرٌ عَلَى مَنْ حَضَرَ، فَقَالَ لَهُمْ: وَ اللهِ! مَآ أَرٰى فِيْ أَوْلَادِ الْأَنْبِيَآءِ مِثْلَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ إِلَّا يُوْسُفَ بْنَ يَعْقُوْبَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. وَ اللهِ! لَذُرِّيَّةُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَفْضَلُ مِنْ ذُرِّيَّةِ يُوْسُفَ بْنِ يَعْقُوْبَ. إِنَّ مِنْهُمْ لَمَنْ يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا۔

عمرو بن عبداللہ بن ہند جملی، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے رایت کرتے ہیں: جب جناب فاطمہؑ بنت علیؑ نے اپنے بھتیجے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اس شدت اور کثرت سے عبادت کرتے دیکھا تو (صحابیٔ رسولؐ) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور فرمایا: آپؓ صحابیٔ رسولؐ ہیں، آپ پر ہمارے حقوق ہیں اور ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو زحمت و مشقت سے ہلاکت ہوتے دیکھو تو اس کی زندگی کا بندوبست کرو۔ دیکھو یہ علی بن الحسین علیہما السلام جو اپنے باپ کی تنہا یادگار ہیں، اس قدر عبادت کر رہے ہیں کہ پیشانی، ہتھیلی اور گھٹنوں پر گھٹے پڑ گئے ہیں اور اس کے بعد بھی مسلسل نمازیں پڑھتے چلے جا رہے ہیں؟ جابر بن عبداللہ یہ سن کر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے دروازہ پر آئے اور وہاں امام باقر علیہ السلام کو بنی ہاشم کے نوجوانوں کے ساتھ دیکھا۔ جناب جابرؓ نے انہیں آگے بڑھتے دیکھا تو کہا: واللہ! یہ بالکل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار ہے۔ پھر پوچھا کہ فرزند آپؑ کون ہیں؟ فرمایا: میں محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام ہوں۔ یہ سن کر جابر رونے لگے اور کہا: واللہ! آپؑ ہی علوم کی باریکیاں ظاہر کرنے والے ''باقر'' ہیں۔ ذرا میرے قریب آیئے۔ میرے ماں باپ آپؑ پر قربان!، حضرتؑ آگے بڑھے۔ جابر نے بند پیراہن کھولے۔ سینے پر اپنا ہاتھ رکھ کر سینہ مبارک کو بوسہ دیا اور اپنا رخسار اور چہرہ جسم مبارک سے مس کیا اور کہا: میں آپؑ کو آپؑ کے جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام پہنچا رہا ہوں اور میں نے وہی سب کچھ کیا ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا اور فرمایا تھا: ''تم اس دنیا

میں اس وقت تک زندہ رہو گے کہ میرے ایک فرزند ''محمدؐ'' (امام باقرؑ) سے ملاقات کرو گے جو علمی موشگافیاں کرنے والا ہوگا اور دیکھو تم نابینا ہو جاؤ گے تو وہ تمہاری بصارت کا انتظام کر دے گا''۔ یہ کہہ کر حضرت جابرؓ نے حضرت امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی درخواست کی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام گھر کے اندر گئے اور بابا کو اطلاع دی کہ ایک بزرگ دروازہ پر ہیں اور انہوں نے میرے ساتھ اس انداز کا برتاؤ کیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: فرزند یہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ انہوں نے خاندان کے دیگر بچوں کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ ایسا برتاؤ کیا؟ عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ہم سب اللہ کا مال ہیں، انہوں نے کوئی برا قصد نہیں کیا لیکن تمہاری زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا۔ اس کے بعد جابرؓ کو داخلے کی اجازت دیدی اور جب جابرؓ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ امام سجاد علیہ السلام محراب عبادت میں ہیں اور جسم انتہائی لاغر ہو چکا ہے۔ آپؑ نے اٹھ کر نحیف آواز میں جابرؓ سے خیریت دریافت کی اور انہیں اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ جابرؓ نے گزارش شروع کی: فرزند رسولؐ! کیا آپؑ کو نہیں معلوم ہے کہ پروردگار نے جنت کو آپ ہی حضرات کیلئے خلق کیا ہے اور جہنم کو آپؑ کے دشمنوں ہی کیلئے بنایا ہے، تو آخر اس قدر زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے صحابیٔ رسولؐ! کیا آپ کو نہیں معلوم ہے کہ پروردگار نے میرے جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ محاسبات کو بخش دیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے عبادت کی مشقت کو نظر انداز نہیں کیا اور اس قدر عبادت کی کہ پیروں پر ورم آگئے اور جب ان سے یہی گزارش کی گئی کہ آپؐ کو عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' جابرؓ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پر میری بات کا اثر ہونے والا نہیں ہے اور وہ عبادات میں تخفیف کرنے والے نہیں ہیں تو عرض کی: فرزند رسولؐ! اپنی زندگی کا خیال رکھیں کہ آپؑ ہی حضرات کے ذریعہ امت کی بلائیں دفع ہوتی ہے، مصیبتوں سے نجات ملتی ہے اور آسمان سے بارش ہوتی ہے؟ فرمایا: جابر! میں اس وقت تک اپنے بابا اور جد کے راستہ پر گامزن رہوں گا جب تک کہ مالک کی بارگاہ میں نہ پہنچ جاؤں۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے اولاد انبیاءؑ میں یوسف بن یعقوب علیہما السلام کے علاوہ علی بن الحسین علیہما السلام

جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا ہے، لیکن خدا گواہ ہے کہ علی بن الحسین علیہ السلام کی ذریت یوسفؑ کی ذریت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، بلکہ ان میں تو ایک وہ بھی ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا ہے جبکہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔[1]

[23] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام: کَانَ اَبِیْ علیہ السلام یُصَلِّیْ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ, فَیَسْجُدُ السَّجْدَةَ فَیُطِیْلُ حَتّٰی نَقُوْلُ: اِنَّهٗ رَاقِدٌ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: میرے پدر بزرگوار شب کی تاریکی میں نمازیں پڑھتے پڑھتے اور سجدہ کو اتنا طول دیتے تھے کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آپؑ سو گئے ہوں۔[2]

[24] عَنْهُ علیہ السلام: اِنِّیْ كُنْتُ اُمَهِّدُ لِاَبِیْ فِرَاشَهٗ فَاَنْتَظِرُهٗ حَتّٰی یَاْتِیَ, فَاِذَا اٰوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ وَ نَامَ قُمْتُ اِلٰی فِرَاشِیْ, وَ اِنَّهٗ اَبْطَاَ عَلَیَّ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاَتَیْتُ الْمَسْجِدَ فِیْ طَلَبِهٖ, وَ ذٰلِكَ بَعْدَمَا هَدَاَ النَّاسُ, فَاِذَا هُوَ فِی الْمَسْجِدِ سَاجِدٌ وَّ لَیْسَ فِی الْمَسْجِدِ غَیْرُهٗ, فَسَمِعْتُ حَنِیْنَهٗ وَ هُوَ یَقُوْلُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ حَقًّا حَقًّا, سَجَدْتُ لَكَ یَا رَبِّ تَعَبُّدًا وَ رِقًّا, اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَمَلِیْ ضَعِیْفٌ فَضَاعِفْهُ لِیْ, اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ, وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں پدر بزرگوار کیلئے بستر بچھا کر انتظار کیا کرتا تھا اور جب وہ آرام فرما لیتے تھے تو میں اپنے بستر پر جاتا تھا۔ ایک شب میں انتظار کرتا رہا اور جب دیر ہوگئی تو آپؑ کی تلاش میں مسجد کی طرف گیا اور دیکھا کہ آپؑ تنہا مسجد میں سجدہ پروردگار میں پڑے ہیں اور نہایت کرب کے عالم میں یہ مناجات کر رہے ہیں: ''خدایا تو مالک بے نیاز ہے اور تو یقیناً میرا پروردگار ہے، میں نے یہ سجدہ تیری بندگی اور عبدیت کے اقرار کیلئے کیا ہے۔ خدایا میرا عمل بہت کمزور (قلیل) ہے اب تو ہی اسے کئی گنا بڑھا دے۔ خدایا اس دن کے عذاب سے محفوظ رکھنا جس دن تمام بندوں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور میری توبہ کو قبول کر لینا کہ تو توبہ کا قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے''۔[3]

---

[1] امالی شیخ طوسیؒ، ص ۲۳۶، حدیث ۱۳۱۴۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۴۸۔ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۲۶۔

[2] قرب الاسناد، ج ۵، ص ۱۵۔

[3] الکافی، ج ۳، ص ۳۲۳، حدیث ۹۔

[25] عَنْهُ علیہ السلام : كَانَ اَبِیْ علیہ السلام كَثِيْرَ الذِّكْرِ. لَقَدْ كُنْتُ اَمْشِيْ مَعَهُ وَ اِنَّهُ لَيَذْكُرُ اللهَ، وَ اٰكُلُ مَعَهُ الطَّعَامَ وَ اِنَّهُ لَيَذْكُرُ اللهَ. وَ لَقَدْ كَانَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَ مَا يَشْغَلُهُ ذٰلِكَ عَنْ ذِكْرِ اللهِ. وَ كُنْتُ اَرٰى لِسَانَهُ لَازِقًا بِحَنَكِهٖ يَقُوْلُ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ. وَ كَانَ يَجْمَعُنَا فَيَأْمُرُنَا بِالذِّكْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ. وَ يَأْمُرُ بِالْقِرَاءَةِ مَنْ كَانَ يَقْرَأُ مِنَّا، وَ مَنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ مِنَّا اَمَرَهُ بِالذِّكْرِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میرے پدر گرامی بہت زیادہ ذکر خدا کیا کرتے تھے اور میں جب بھی ان کے ساتھ چلتا یا کھانا کھاتا تھا تو انہیں ذکر خدا کرتے ہی دیکھتا تھا۔ حد یہ ہے کہ لوگوں سے گفتگو بھی آپؑ کو ذکر خدا سے غافل نہیں بنا سکتی تھی۔ اکثر اوقات زبان تالو سے چپک جاتی تھی اور ''لا الہ الا اللہ'' کہتے رہتے تھے۔ ہم سب کو جمع کر کے طلوع آفتاب تک ذکر خدا کا حکم دیا کرتے تھے اور جو قرآن پڑھ سکتا تھا اسے تلاوت کا حکم دیتے تھے ورنہ ذکر خدا کا امر فرمایا کرتے تھے۔ [1]

[26] يَحْيَى الْعَلَوِيُّ: كَانَ مُوْسَى بْنُ جَعْفَرٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ يُدْعَى الْعَبْدَ الصَّالِحَ مِنْ عِبَادَتِهٖ وَ اجْتِهَادِهٖ. رَوٰى اَصْحَابُنَا اَنَّهُ دَخَلَ مَسْجِدَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ فَسَجَدَ سَجْدَةً فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ، وَ سُمِعَ وَ هُوَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ: عَظِيْمُ الذَّنْبِ عِنْدِيْ فَلْيَحْسُنِ الْعَفْوُ عِنْدَكَ. يَآ اَهْلَ التَّقْوٰى وَ يَآ اَهْلَ الْمَغْفِرَةِ. فَجَعَلَ يُرَدِّدُهَا حَتّٰى اَصْبَحَ۔

یحیٰ علوی کہتے ہیں: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ان کی کثرت عبادت کی بنا پر ''عبد صالح'' (اللہ کا نیک بندہ) کہا جاتا تھا اور ہمارے بعض اصحاب کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) آپؑ نے مسجد نبوی میں جا کر اول شب میں سجدہ شروع کیا اور اس میں یہ مناجات شروع کی: ''خدایا تیرے بندے کا گناہ عظیم ہے تو تیری معافی کو بھی عظیم ہونا چاہیے، اے صاحب تقویٰ! اے صاحب مغفرت!'' اور اسی ذکر کو صبح تک دہراتے رہے۔ [2]

[27] حَفْصٌ: مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَشَدَّ خَوْفًا عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَ لَا اَرْجَى النَّاسِ مِنْهُ. وَ كَانَتْ قِرَاءَتُهُ حُزْنًا. فَاِذَا قَرَاَ فَكَاَنَّهُ يُخَاطِبُ اِنْسَانًا۔

حفص کا بیان ہے: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے زیادہ نہ خدا کا خوف رکھنے والا دیکھا

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۹۹، حدیث ۱۔

[2] تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۲۷۔

ہے اور نہ اس کی رحمت کا امیدوار دیکھا ہے۔ آپؑ کی تلاوت کا انداز بھی پرسوز ہوتا تھا اور اس طرح پڑھتے تھے جیسے کسی سے باتیں کر رہے ہوں۔[1]

[28] الثَّوْبَانِيُّ: كَانَتْ لِأَبِي الْحَسَنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ عليه السلام. بِضْعَ عَشْرَةَ سَنَةً. كُلَّ يَوْمٍ سَجْدَةٌ بَعْدَ انْقِضَاضِ الشَّمْسِ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ. فَكَانَ هَارُونُ رُبَّمَا صَعِدَ سَطْحًا يُشْرِفُ مِنْهُ عَلَى الْحَبْسِ الَّذِي حَبَسَ فِيهِ أَبَا الْحَسَنِ عليه السلام. فَكَانَ يَرَى أَبَا الْحَسَنِ عليه السلام سَاجِدًا. فَقَالَ لِلرَّبِيعِ: يَا رَبِيعُ! مَا ذَاكَ الثَّوْبُ الَّذِي أَرَاهُ كُلَّ يَوْمٍ فِي ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ؟ فَقَالَ: يَآ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. مَا ذَاكَ بِثَوْبٍ وَإِنَّمَا هُوَ مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. لَهُ كُلَّ يَوْمٍ سَجْدَةٌ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ. قَالَ الرَّبِيعُ: فَقَالَ لِي هَارُونُ: أَمَا إِنَّ هٰذَا مِنْ رُهْبَانِ بَنِي هَاشِمٍ. قُلْتُ: فَمَا لَكَ قَدْ ضَيَّقْتَ عَلَيْهِ فِي الْحَبْسِ؟! قَالَ: هَيْهَاتَ. لَا بُدَّ مِنْ ذٰلِكَ!۔

ثوبانی کہتے ہیں: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام چند سال تک اسی انداز سے عبادت کرتے رہے کہ طلوع آفتاب سے زوال تک سجدہ ہی میں رہا کرتے تھے۔ ہارون الرشید کبھی کبھی چھت پر جا کر قیدخانہ کے روشندان سے دیکھتا تھا تو آپؑ کو سجدہ میں پاتا تھا۔ ایک دن اس نے (زندان کے داروغہ) ربیع سے پوچھا: اے ربیع! یہ کپڑا کیسا پڑا ہے؟ تو اس نے کہا: اے خلیفہ! یہ کپڑا نہیں ہے۔ یہ موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں جو روزانہ طلوع آفتاب سے زوال تک سجدۂ معبود میں پڑے رہتے ہیں۔ یہ سن کر ہارون بولا: بیشک یہ بنی ہاشم کے راہبوں میں سے ہیں۔ ربیع نے کہا: تو پھر آپ نے انہیں اس تنگی زندان میں کیوں رکھا ہوا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔[2]

[29] عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ صَالِحٍ الْهَرَوِيُّ: جِئْتُ إِلَى بَابِ الدَّارِ الَّتِي حُبِسَ فِيهَا الرِّضَا عليه السلام بِسَرَخْسَ وَقَدْ قُيِّدَ عليه السلام. فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ السَّجَّانَ. فَقَالَ: لَا سَبِيلَ لَكَ إِلَيْهِ عليه السلام. قُلْتُ: وَلِمَ؟ قَالَ: لِأَنَّهُ رُبَّمَا صَلَّى فِي يَوْمِهِ وَلَيْلَتِهِ أَلْفَ رَكْعَةٍ. وَإِنَّمَا يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوتِهِ سَاعَةً فِي صَدْرِ النَّهَارِ وَقَبْلَ الزَّوَالِ وَعِنْدَ اصْفِرَارِ الشَّمْسِ. فَهُوَ فِي هٰذِهِ الْأَوْقَاتِ قَاعِدٌ فِي مُصَلَّاهُ وَيُنَاجِي رَبَّهُ۔

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۶۰۶، حدیث ۱۰۔

[2] عیون اخبار الرضاؑ، ج ۱، ص ۹۵۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۱۸۔

عبدالسلام بن صالح ہروی بیان کرتے ہیں: میں مقام "سرخس"[1] میں اس گھر تک پہنچا جہاں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو قید میں رکھا گیا تھا۔ میں نے زندان کے نگران سے حضرتؑ کی زیارت کرنے کی اجازت چاہی تو اس نے کہا: اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا: یہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ صرف ابتدائے روز میں، وقت زوال اور نزدیک غروب ایک ساعت کیلئے نماز روک دیتے ہیں لیکن اس وقت بھی مصلّٰی پر بیٹھ کر ذکر خدا کرتے رہتے ہیں۔[2]

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

آخری حجتِ خدا عجل اللہ فرجہ الشریف کی شان

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ قَآئِمَنَا اِذَا قَامَ مَدَّ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِشِيْعَتِنَا فِيْ اَسْمَاعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقَآئِمِ بَرِيْدٌ يُكَلِّمُهُمْ. فَيَسْمَعُوْنَ وَ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ وَ هُوَ فِيْ مَكَانِهٖ۔

جب ہمارے قائم (امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف) قیام کریں گے تو خداوند متعال ہمارے پیروکاروں کی آنکھیں اور کان تیز کر دے گا اور حالت یہ ہوگی کہ ہمارے پیروکاروں اور حضرت قائم عجل اللہ فرجہ الشریف کے درمیان کوئی قاصد نہیں ہوگا۔ پس جب آپؑ بات کریں گے تمام شیعہ سن لیں گے اور آپؑ کو دیکھ لیں گے جبکہ آپؑ اپنے مقام پر ہوں گے۔

(الکافی، ج۸، ص۲۴۱)

---

[1] "سرخس" ایران میں واقع ایک مقام ہے۔

[2] عیون اخبار الرضاؑ، ج ۲، ص ۱۸۳، حدیث ۶۔

قسط:25

شرحِ چہل حدیث

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

سترہویں حدیث:

بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الْاِمَامِ الْاَقْدَمِ حُجَّةِ الْفِرْقَةِ وَ رَئِيْسِ الْاُمَّةِ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوْبَ الْكُلَيْنِيِّ رَحِمَهُ اللهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِيْسٰى، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مَحْبُوْبٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ وَهَبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عليه السلام يَقُوْلُ:

اِذَا تَابَ الْعَبْدُ تَوْبَةً نَصُوْحًا اَحَبَّهُ اللهُ فَسَتَرَ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ. فَقُلْتُ: وَ كَيْفَ يَسْتُرُ عَلَيْهِ؟ قَالَ: يُنْسِيْ مَلَكَيْهِ مَا كَتَبَا عَلَيْهِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ يُوْحِيْ اِلٰى جَوَارِحِهٖ: اُكْتُمِيْ عَلَيْهِ ذُنُوْبَهُ وَيُوْحِيْ اِلٰى بِقَاعِ الْاَرْضِ: اُكْتُمِيْ مَا كَانَ يَعْمَلُ عَلَيْكِ مِنَ الذُّنُوْبِ. فَيَلْقَى اللهَ حِيْنَ يَلْقَاهُ وَلَيْسَ شَيْءٌ يَشْهَدُ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنَ الذُّنُوْبِ۔

معاویہ بن وہب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا:

''جب کوئی بندہ خالص توبہ کرتا ہے تو خدا اس کو چاہنے لگتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے''۔ میں نے عرض کی: (مولا!) خدا کیونکر پردہ پوشی فرماتا ہے؟ فرمایا: ''اس پر مقرر دونوں فرشتوں نے جو گناہ لکھے ہوتے ہیں ان کو فراموش کرا دیتا ہے اور پھر اس کے (اعضاء) و جوارح کو حکم دیتا ہے: ''اس کے گناہوں کو چھپا دو''، اور زمین کے ٹکڑوں کو حکم دیتا

ہے: ''اس نے جو تمہارے اوپر گناہ کئے ہیں ان کو چھپا دو''۔ چنانچہ جب وہ اپنے وقت مقررہ پر خدا سے ملاقات کرتا ہے تو ملاقات کے وقت کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اس کے خلاف اس کے گناہوں کی گواہی دے۔[1]

شرح:

حقیقت توبہ:

یہ جان لو کہ اہم اور مشکل ترین منازل میں سے (ایک) ''توبہ'' ہے۔ توبہ کا مطلب ہے: گناہوں اور نافرمانی کی کدورت کی وجہ سے روحانیت اور فطرت کا نور جو طبیعت کی تاریکی میں چھپ چکا تھا پھر طبیعت کی جانب سے روحانیت کی طرف پلٹ آئے۔

اس اجمال کی بالجملہ تفصیل یہ ہے کہ ابتدائے فطرت میں نفس ہر قسم کے کمال و جمال اور نور و بہجت سے خالی ہوتا ہے اور ان کے مقابل کی چیزوں سے بھی خالی ہوتا ہے۔ یعنی بالکل ایک کورا کاغذ ہوتا ہے۔ نہ اس میں روحانی کمالات ہوتے ہیں اور نہ اس کے مخالف صفات ہوتی ہیں۔ البتہ اس میں استعداد کی روشنی اور ہر مقام کے حصول کی لیاقت وصلاحیت، ودیعت رہتی ہے۔ اس کی فطرت، استقامت پر اور اس کا خمیر انوار ذاتیہ سے گویا خمیر کیا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں تاریکی پیدا ہونے لگتی ہے۔ گناہ جتنا زیادہ ہوگا تاریکی اتنی زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ گناہ کرتے کرتے قلب بالکل تاریک وسیاہ ہو جائے گا اور نور فطرت بجھ جائے گا اور وہ ابدی شقی ہو جائے گا۔ لیکن اگر ان حالات کے درمیان پورے دل کے سیاہ ہونے سے پہلے وہ خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور بیداری کی منزل کے بعد توبہ کی منزل پر بھی پہنچ گیا اور اس منزل کی شرائط، جن کا اجمالاً ذکر کیا جائے گا، کو بھی اس نے پورا کرلیا تو تاریکی اور فطری کدورت سے نکل کر دوبارہ اصلی فطرت کی روشنی اور اپنی ذاتی روحانیت کی طرف پلٹ آئے گا اور لوح دل پھر کمالات اور ان کے اضداد سے خالی ہو جائے گی۔ جیسا حدیث میں ارشاد ہے:

اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۴۳۰، کتب ایمان وکفر، باب التوبہ، حدیث ا۔

گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ ہی نہ کیے ہوں۔[1]

پس معلوم ہوا کہ توبہ کی حقیقت طبیعت کے احکام و انجام سے پلٹ کو روحانیت و فطرت کے احکام کی طرف آ جانا ہے اور ''انابت'' (لوٹنے) کی حقیقت، فطرت و روحانیت سے پلٹ کر خدا کی طرف آنا اور شہوت نفس سے منزل مقصود کی طرف ہجرت کرنا ہے۔ پس ''توبہ'' کی منزل ''انابت'' کی منزل سے مقدم ہے۔ مگر اس کی تفصیل اس کتاب (کتاب ہذا) کی مناسب نہیں ہے۔

پہلی فصل: اہم نکتہ

نجات و ہدایت کے راستے پر چلنے والے کیلئے ایک اہم نکتے کی طرف توجہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ صحیح و مکمل توبہ جس میں اس کی تمام شرائط موجود ہوں جن کا آگے چل کر ذکر کیا جائے گا بہت مشکل چیز ہے اور بہت کم لوگ اس مقصد کو حاصل کر پاتے ہیں، بلکہ گناہان کبیرہ اور مہلکات کے ارتکاب کے بعد انسان زیادہ تر توبہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اگر دل کی کھیتی میں گناہوں کا درخت ثمر آور اور طاقتور ہو جائے اور اس کی جڑیں مضبوط ہو جائیں تو پھر اس کے نتائج بہت ہی خراب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان مکمل طور پر توبہ سے منصرف ہو جاتا ہے اور اگر کبھی توبہ کی یاد آ جاتی ہے تو وہ کاہلی، آج کل، اس ماہ و آئندہ ماہ کر کے ٹالتا رہتا ہے اور اپنی جگہ کہتا ہے عمر کے آخری حصے اور بڑھاپے میں صحیح توبہ کر لیں گے! حالانکہ یہ خدا سے مکاری ہے جس سے وہ غافل ہے، (کیونکہ:) ﴿وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾[2]: ''خدا سب سے بہتر مکر کی توڑ کرنے والا ہے''۔ یہ گمان نہ کرو کہ گناہوں کی جڑوں کے مضبوط ہو جانے کے بعد انسان توبہ کر سکتا ہے یا توبہ کی شرائط پوری کر سکتا ہے۔ توبہ کی بہار تو جوانی ہی میں ہے جب گناہوں کا بار کم، دل کی کدورت قلیل، ظلمت باطن ناقص اور شرائط توبہ سہل و آسان ہوا کرتی ہیں۔ بڑھاپے میں انسان کی حرص و طمع، حب جاہ و مال اور امیدیں بڑی لمبی ہو جاتی ہیں اور یہ بات مجرب ہے اور حدیث شریف رسولؐ اس کی گواہ ہے۔[3]

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۴۳۵، کتاب ایمان وکفر، باب التوبہ، حدیث ۱۰۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۵۴۔

[3] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَبْقٰى مَعَهُ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ وَالْاَمَلُ: آدمی بوڑھا ہوتا جائے گا اور اس کے ساتھ دو چیزیں باقی رہیں گی: (ایک) حرص اور (دوسری) آرزو۔ (الخصال، ج ۱، ص ۷۳، باب الاثنین، حدیث ۱۱۲)

چلو فرض کئے لیتے ہیں کہ انسان بڑھاپے میں توبہ کرلے گا۔ (مگر یہ کہاں سے معلوم ہے کہ) بڑھاپے تک پہنچ پائے گا یا جوانی میں اور نافرمانی کی حالت میں اس کو موت نہیں آئے گی اور اس کو مہلت مل جائے گی؟ بوڑھوں کا کم پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ موت جوانوں سے زیادہ قریب ہے۔ (عام طور پر) ایک پچاس ہزار آبادی والے شہر میں پچاس اسی سالہ بوڑھے بھی دکھائی نہیں دیتے۔

لہٰذا (میرے) عزیز! شیطان کی مکاری سے ڈرو اور ہوشیار رہو اور اپنے خدا سے حیلہ ومکاری نہ کرو کہ پچاس سال یا اس سے زیادہ شہوت پرستی کر کے مرتے دم توبہ واستغفار کرلیں گے۔ یہ خام خیالی ہے۔ اگر تم نے حدیث میں (خود) دیکھا ہے یا سنا ہے کہ خداوند عالم نے اس امت پر یہ فضل وکرم کیا ہے کہ آثار مرگ دیکھنے سے پہلے یا مرنے سے پہلے تک لوگوں کی توبہ قبول کرلے گا[1]، تو یہ بالکل صحیح ہے، مگر افسوس تو یہی ہے کہ کیا اس وقت وہ توبہ کرلے گا، کیا توبہ صرف لفظ ہے؟ توبہ کا پورا کرنا بہت دشوار ہے۔ برائیوں سے رکنا اور گناہ نہ کرنے کا عزم (بالجزم) کرنا، علمی وعملی ریاضتوں کا محتاج ہے، ورنہ شاذ ونادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود بخود توبہ کی فکر کرے یا اس کو توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہوجائے یا اگر توفیق بھی ہو تو شرائط صحت اور قبولیت کے ساتھ یا شرائط کمال کے ساتھ توفیق نصیب ہو (یہ بہت مشکل ہے)، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ توبہ کی فکر کرنے سے پہلے یا توبہ کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے موت آدبوچتی ہے اور انسان اپنے سنگین گناہوں اور بے انتہا نافرمانیوں کے ساتھ اس دنیا سے انتقال کر جاتا ہے۔ پھر خدا جانے وہ کن بدبختیوں سے دوچار ہو۔ بالفرض انسان اہل نجات سے ہے اور اس کا انجام بخیر ہے

---

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ قَبِلَ اللهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ السَّنَةَ لَكَثِيرَةٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرٍ قَبِلَ اللهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الشَّهْرَ لَكَثِيرٌ مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِجُمْعَةٍ قَبِلَ اللهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْجُمْعَةَ لَكَثِيرٌ مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِيَوْمٍ قَبِلَ اللهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ يَوْمًا لَكَثِيرٌ مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يُعَايِنَ قَبِلَ اللهُ تَوْبَتَهُ: ''جو شخص مرنے سے ایک سال پہلے توبہ کرلے خدا اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ پھر فرمایا: سال تو زیادہ ہے، جو مرنے سے ایک ماہ پہلے توبہ کرلے خدا اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ پھر فرمایا: ایک ماہ تو بہت زیادہ ہے، جو مرنے سے ایک جمعہ پہلے توبہ کرلے خدا اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ پھر فرمایا: ایک جمعہ تو بہت زیادہ ہے، جو مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کرلے خدا اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ پھر فرمایا: ایک دن تو بہت زیادہ ہے، جو موت کے مشاہدے سے پہلے توبہ کرلے خدا اس کی بھی توبہ قبول کرلیتا ہے''۔ (اصول کافی، ج ۲، ص ۴۴۰، کتاب ایمان وکفر، حدیث ۱۲)

پھر بھی اس دوسری دنیا میں گناہوں کی تلافی آسان نہیں ہے۔ کتنی زحمت اور کتنا فشار برداشت کرنا ہوگا اور کتنا جلنا ہوگا جس کے بعد انسان شفاعت کے لائق ہوگا اور ارحم الراحمین کی رحمت کا مستحق ہوگا؟ لہٰذا میرے عزیز! جتنی جلدی ہو سکے کمر ہمت کس لو، عزم محکم کرلو، ارادۂ قوی کرلو اور جب تک جوانی ہے یا دنیا میں زندگی ہے، گناہوں سے توبہ کرلو، خدا کی دی ہوئی فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دو، شیطان کی گمراہی اور نفس امارہ کی مکاریوں پر کان نہ دھرو۔

اہم نکتہ:

ایک اور نکتے کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ توبہ کرنے والے کے یہاں توبہ کے بعد پہلے والی روحانی و باطنی پاکیزگی اور خالص فطری نور باقی نہیں رہتا۔ جیسے آپ ایک کاغذ کو سیاہ بنانے کے بعد دوبارہ اس کو سفید بنانا چاہیں تو پہلے والی سفیدی اس میں پیدا نہیں ہوتی یا ٹوٹے ہوئے برتن کی اصلاح کریں تو وہ پہلے والی صورت ہرگز اختیار نہیں کر سکتا۔ جو دوست انسان کے ساتھ تمام صفا و خلوص کے ساتھ رفتار کرے اس میں اور اس دوست میں جو خیانت کے بعد دوبارہ عذر خواہی کرے بہت فرق ہے۔ اس کے علاوہ بہت کم ایسے لوگ ملیں گے جو صحیح طور پر توبہ کے تقاضوں پر عمل کر سکتے ہوں۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان معصیت و نافرمانی میں داخل ہی نہ ہو۔ اس لئے کہ فاسد ہونے کے بعد نفس کی اصلاح بہت مشکل کام ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی نافرمانی و معصیت میں مبتلا ہو جائے تو جتنی جلدی ممکن ہو علاج کرلے، کیونکہ کم فاسد ہونے والی چیز کی اصلاح جلد سکتی ہے اور وہ بھی اچھی طرح ہو سکتی ہے۔

اے عزیز! بے اعتنائی اور سرسری طور سے اس مقام سے مت گزرو۔ اپنی حالت اور اپنے انجام میں کافی غور و فکر کرو۔ کتاب خدا، احادیث خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آئمہ ہدیٰ علیہم السلام، علمائے امت کے کلمات اور عقل و وجدان کے حکم کی طرف رجوع کرو اور اس دروازے کو جو تمام دروازں کی چابی ہے، اپنے لئے کھول لو اور اس منزل میں جو ہمارے اعتبار سے انسانیت کی سب سے عمدہ منازل میں سے ہے، داخل ہو جاؤ اور اس کی اہمیت سمجھو اور اس کی پابندی کرو اور خداوند عالم سے حصول مقصد کی توفیق کا سوال کرو۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی روحانیت سے مدد مانگو۔ ولی امر، ناموس دہر،

حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کی پناہ مانگو۔ یقیناً حضرتؑ کمزوروں کی دستگیری اور تھکے ماندے لوگوں کی مدد فرماتے ہیں اور بے چاروں کی دادرسی کرتے ہیں۔

دوسری فصل: ارکانِ توبہ

یہ سمجھ لو کہ مکمل توبہ کیلئے کچھ شرائط وارکان ہیں کہ جب تک وہ پورے نہ ہوں گے صحیح توبہ حاصل نہ ہوگی۔ ہم ان میں سے اہم اور لازمی شرائط کا ذکر کریں گے:

پہلی شرط: گزشتہ گناہوں اور غلطیوں پر ندامت وپشیمانی ہے اور یہ توبہ کا سب سے بڑا رکن ہے۔

دوسری شرط: دوبارہ پھر کبھی گناہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرنا۔

یہ دونوں امور (گزشتہ گناہ پر ندامت اور آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم بالجزم) درحقیقت، حقیقتِ توبہ کو ثابت کرنے والے اور توبہ کے بنیادی ارکان میں سے ہیں۔ توبہ میں سب سے اہم اسی مقام کا حاصل کرنا اور اسی حقیقت کا محقق ہونا ہے اور وہ اسی طرح ہے کہ انسان اس بات کو یاد رکھے کہ گناہوں کا اثر روح پر ہوتا ہے اور اس کا برا نتیجہ عالم برزخ اور قیامت میں (ظاہر) ہوتا ہے۔ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے اور نقلاً بھی۔ چنانچہ اصحاب معرفت کے یہاں اس پر برہان و دلیل قائم ہے اور اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی روایات میں وارد ہے کہ عالم برزخ وقیامت میں گناہوں کی مناسبت سے ان کی صورتیں ہوں گی جو اس عالم میں زندگی وارادے کی مالک ہوں گی اور انسان کو شعور وارادے سے عذاب واذیت پہنچائیں گی۔ خود آتش جہنم انسان کو اپنے شعور وارادے سے جلائے گی، کیونکہ وہ عالم، عالم حیات ہے۔ پس اس عالم میں ہمارے اچھے یا برے اعمال کے نتیجے اپنی اپنی صورتوں کے ساتھ ہمارے ساتھ محشور ہوں گے۔ قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس بات کو صراحتاً اور اشارتاً بہت سی جگہوں پر بیان کیا گیا ہے اور یہ بات حکمائے اشراق کے مسلک اور اہل سلوک وعرفان کے ذوق و مشاہدات کے مطابق (بھی) ہے۔ اسی طرح ہر گناہ کا اثر روح میں حاصل ہوتا ہے جس کو احادیث شریفہ میں ''سیاہ نقطہ''[1] سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ سیاہی قلب وروح میں پیدا ہوتی ہے، پھر تھوڑی تھوڑی بڑھتی رہتی ہے اور انسان کو کافر وزندیق بنا کر شقاوت ابدی کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے

---

[1] اس ضمن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث کو حدیث نمبر ۱۵ کے حواشی میں نقل کیا جا چکا ہے۔

بھی اس جملے کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔[1]

پس اگر عقلمند انسان اس مطلب کی طرف متوجہ ہو جائے اور انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور عرفاء و حکماء اور علماء رحمۃ اللہ علیہم کے قول پر ایک معالج طبیب کے قول کے برابر اعتنا کرے تو یقیناً گناہوں سے پرہیز کرنے لگے گا اور ان کے قریب بھی نہ پھٹکے گا اور اگر خدانخواستہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو فوراً الگ ہو جائے گا اور پشیمان ہو جائے گا اور ندامت کا اظہار اس کے دل میں ہو جائے گا اور اس ندامت و پشیمانی کا نتیجہ بہت بڑا ہے اور اس کے اثرات بہت اچھے ہیں اور ندامت کی وجہ سے معصیت و مخالفت چھوڑ دینے کا پختہ عزم اور الٰہی توفیقات اس کے شامل ہو جائیں گی اور آیہ مجیدہ: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾[2]: (خدا توبہ کرنے والوں اور باطہارت رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے) اور زیر بحث حدیث شریف کے مطابق وہ خدا کا محبوب ہو جائے گا، بشرطیکہ اس کی توبہ خالص ہو۔ انسان کو چاہیے کہ علمی و عملی ریاضت اور ضروری تدبر و مناسب تفکر کے ساتھ کوشش کرے کہ اس کی توبہ خالص ہو اور یہ جان لے کہ خدا کی محبوبیت کو کسی میزان میں تولا نہیں جا سکتا۔ خدا جانتا ہے کہ ان دنیاؤں میں محبت حق کی صورت کتنے معنوی انوار اور کتنی تجلیات کامل رکھتی ہے اور خدا اپنے محبوب کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔

اے انسان! تو کتنا ظالم و جاہل ہے۔ تو اپنے ولی نعمت (خداوند عالم) کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا! تو سالہا سال سے ایسے ولی نعمت کی مخالفت کر رہا ہے جس نے تمام راحت و آسائش کے اسباب نعوذ باللہ اپنے کسی فائدے کے بغیر تیرے لئے مہیا کئے۔ تو نے اپنی بے حیائی و سرکشی کی انتہا کر دی۔ اب جبکہ تو نادم ہو ہی گیا اور لوٹ آیا ہے اور تو نے توبہ کر لی تو اس نے پھر تجھے اپنا محبوب بنا لیا۔ کیا بہت بڑی رحمت اور عظیم نعمت نہیں ہے؟

خداوندا! ہم تیری نعمتوں کے شکر سے عاجز ہیں۔ ہماری اور ساری کائنات کی زبان تیری حمد و ثنا سے گنگ ہے، سوائے اس کے کہ شرم سے سر جھکا دیں اور اپنی بے حیائیوں کی معذرت کریں، اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے کہ تیری رحمتوں کے لائق بنیں، لیکن تیری رحمت کی

---

[1] حدیث ۱۵، فصل ۲۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۲۔

وسعت اور تیری ہمہ گیر نعمت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ بیان (وتحریر) میں آسکے۔ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ[1]: ''بے شک تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے''۔

انسان کو اس کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ندامت کی صورت دل میں قوی ہو جائے تا کہ وہ انشاء اللہ ''بیت احتراق'' میں داخل ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ خوفناک گناہوں اور برائیوں کے آثار وانجام میں غور وفکر کرنے کی وجہ سے دل میں ندامت کو طاقت عطا کرے اور ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝﴾[2] کے نمونے کو خود ہی اپنے دل میں روشن کرے اور قلب کو آتش ندامت سے جلا دے تا کہ اس آگ میں تمام گناہ جل جائیں اور دل کی کدورتیں اور زنگ ختم ہو جائیں، (اور یہ) جان لے کہ اگر اس آگ کو اس دنیا میں اپنے لئے نہ روشن کرے گا اور اس جہنم کے دروازے کو جو بہشت کا باب الا بواب ہے، اپنے لئے نہ کھولے گا اور اس دنیا سے منتقل ہو جائے گا تو مجبوراً اس عالم میں اس کیلئے آتش سوزاں کا انتظام کیا جائے گا اور جہنم کے دروازے اس کیلئے کھول دیئے جائیں گے اور رحمت و بہشت کے دروازے اس پر بند کر دیئے جائیں گے۔

پروردگار! ہم کو دردمند دل دے اور آتش ندامت سے ندامت کی چنگاری ہمارے دل میں بھڑکا دے اور اس کو اسی آتش دنیا سے جلا دے۔ ہمارے دل کی کدورتوں کو دور کر دے اور ہم کو اس دنیا سے گناہوں کے آثار سے پاک کر کے لے جا۔ اِنَّكَ وَلِیُّ النِّعَمِ وَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

تیسری فصل: شرائط توبہ

گزشتہ فصل میں جو بیان کیا گیا وہ توبہ کے ارکان تھے۔ توبہ کی کچھ شرائط قبولیت اور (کچھ) شرائط کمال بھی ہیں جن کو ہم ترتیب سے بیان کریں گے۔ (قبولیت) توبہ کیلئے دو شرطیں ہیں جو بہت عمدہ ہیں اور یہ توبہ کے کمال کیلئے بھی ضروری ہیں۔ اس باب میں ہم مولی الموالی حضرت علی علیہ السلام کے کلام کا ذکر کریں گے، کیونکہ حضرت کا کلام جوامع الکلم ہے اور کلام ملوک، ملوک الکلام ہوا کرتا ہے:

رُوِیَ فِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ: اَنَّ قَآئِلًا قَالَ بِحَضْرَتِهٖ: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. فَقَالَ لَهٗ:

---

[1] یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا سے اقتباس ہے جسے آپ سجدے میں پڑھا کرتے تھے۔ (الکافی، ج ۳، ص ۳۲۴۔)

[2] سورۂ ہمزہ، آیت ۶-۷۔ ترجمہ: ''وہ اللہ کی آگ ہے جسے خوب بھڑکا کر رکھا گیا ہے جو دلوں پر جا لپٹے گی''۔

ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ اَتَدْرِیْ مَا الْاِسْتِغْفَارُ؟ اَلْاِسْتِغْفَارُ دَرَجَةُ الْعِلِّيِّيْنَ. وَ هُوَ اسْمٌ وَّاقِعٌ عَلٰى سِتَّةِ مَعَانٍ: اَوَّلُهَا: اَلنَّدَمُ عَلٰى مَا مَضٰى، وَ الثَّانِیْ: اَلْعَزْمُ عَلٰى تَرْكِ الْعَوْدِ اِلَيْهِ اَبَدًا. وَ الثَّالِثُ: اَنْ تُؤَدِّیَ اِلَى الْمَخْلُوْقِيْنَ حُقُوْقَهُمْ حَتّٰى تَلْقَى اللهَ اَمْلَسَ لَيْسَ عَلَيْكَ تَبِعَةٌ. وَ الرَّابِعُ: اَنْ تَعْمَدَ اِلٰى كُلِّ فَرِيْضَةٍ عَلَيْكَ ضَيَّعْتَهَا فَتُؤَدِّیَ حَقَّهَا. وَ الْخَامِسُ: اَنْ تَعْمَدَ اِلَى اللَّحْمِ الَّذِیْ نَبَتَ عَلَى السُّحْتِ فَتُذِيْبَهُ بِالْاَحْزَانِ حَتّٰى تُلْصِقَ الْجِلْدَ بِالْعَظْمِ وَ يَنْشَاَ بَيْنَهُمَا لَحْمٌ جَدِيْدٌ، وَ السَّادِسُ: اَنْ تُذِيْقَ الْجِسْمَ اَلَمَ الطَّاعَةِ كَمَآ اَذَقْتَهُ حَلَاوَةَ الْمَعْصِيَةِ. فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَقُوْلُ: اَسْتَغْفِرُ اللهَ۔

جناب سیّد جلیل القدر علامہ سیّد رضی رحمۃ اللہ علیہ [1] نہج البلاغہ میں روایت فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے اَسْتَغْفِرُ اللهَ کہا تو حضرتؑ نے فرمایا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے! کیا تو جانتا ہے کہ ''استغفار'' کیا ہے؟ (سن لے) استغفار علیین کا درجہ ہے اور یہ ایک ایسا اسم ہے جو چھ معنوں پر مشتمل ہے۔ اول: گزشتہ افعال پر ندامت۔ دوم: ہمیشہ کیلئے اس کے نہ کرنے کا محکم ارادہ۔ سوم: مخلوق کے حقوق کو (مرتے دم تک) ادا کرنا تاکہ جب تم خدا سے ملو تو تم پاک و پاکیزہ ہو اور تمہارے پیچھے کوئی چیز نہ ہو (تمہارے ذمے کسی کا حق نہ ہو)۔ چہارم: ہر اس فریضہ کی طرف متوجہ ہوجانا جس کو تم ضائع کرچکے ہو، پس اس کے حق کو ادا کرو۔ پنجم: اس گوشت کی طرف متوجہ ہونا جو حرام سے اُگا ہے اور رنج وغم سے اس کو پگھلا کر کھال کو ہڈی سے ملانا تاکہ پھر (دوبارہ) کھال اور ہڈی کے درمیان گوشت پیدا ہو۔ ششم: جسم کو اطاعت کی تکلیف کا مزہ اسی طرح چکھانا جس طرح اس کو معصیت کی حلاوت کا مزہ چکھا چکے ہو۔ جب سب (مراحل طے) کرچکو تو پھر کہو: اَسْتَغْفِرُ اللهَ۔ [2]

---

[1] ابوالحسن محمد بن حسین بن موسیٰ المعروف ''شریف رضیؒ'' (۳۵۹ـ۴۰۶ھ) اکابر شیعہ علماء مشاہیر اور شیخ مفیدؒ کے شاگرد تھے۔ شیخ طوسیؒ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ فنون ادب و بلاغت میں سرآمد روزگار تھے اور دیگر اسلامی علوم میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا زہد و تقویٰ زبان زد عام تھا۔ اپنے والد کے بعد سادات کی نقابت آپ کے حوالے ہوئی تھی۔ آپ کی تصانیف میں انشراح الصدر، خصائص الائمہ، تلخیص البیان عن مجازات القرآن، مجازات الآثار النبویہ جبکہ سب سے مشہور ''نہج البلاغہ'' ہے۔

[2] نہج البلاغہ، حکمت ۴۰۹۔

یہ حدیث شریف پہلے تو توبہ کے دو رکن: ''پشیمانی'' اور ''دوبارہ نہ کرنے کے عزم'' پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد اس میں توبہ کی قبولیت کی دو اہم شرائط کا ذکر کیا گیا ہے: حقوق مخلوق کی واپسی اور حقوق خدا کی ادائیگی۔ انسان کے محض ''میں توبہ کرتا ہوں'' کہہ دینے سے توبہ قبول نہیں ہو جاتی۔ توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی کوئی چیز ناحق لی ہے تو اس کو واپس کر دے اور اگر کسی دوسرے شخص کا حق اس کے اوپر ہے اور اس کا ادا کرنا ممکن ہے یا اس کے مالک کو راضی کرنا ممکن ہے تو ایسا کرے۔ اسی طرح جو بھی فرائض الٰہی ترک ہو گئے ہوں ان کی قضا کرے یا ان کو پورا کرے۔ اگر سب نہ کر سکتا ہو تو جتنا کر سکتا ہو اتنا کرے۔ یہ جان لینا چاہیے کہ یہ سب وہ حقوق ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا مطالبہ کیا جائے گا۔ (اگر یہاں ادا نہ کئے گئے تو) آخرت میں بڑی سختی سے مطالبہ کیا جائے گا اور وہاں ادائیگی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سوائے اس کے دوسروں کے گناہوں کا بار خود اٹھائے اور اپنے اعمال حسنہ دوسروں کو دے دے اور ایسا کرنے سے خود بے چارہ و بد بخت ہو جائے گا۔ نہ نجات کی کوئی راہ ہو گی اور نہ بچ نکلنے کا کوئی چارہ ہو گا۔

اے عزیز! کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان و نفس امارہ تجھ پر حاوی ہو جائیں اور تجھے وسوسے میں مبتلا کر کے مطلب کو بہت بڑا کر کے دکھائیں اور تم کو توبہ سے روک دیں اور تمہارے کام کو یکبارگی (خراب) کر دیں۔ ان امور میں جتنا بھی ہو سکے چاہے تھوڑا ہی سہی اقدام کرنا بہتر ہے۔ اگر قضا نمازیں، روزے، کفارے اور (دیگر) حقوق خدا بہت ہیں اور اسی کے ساتھ لوگوں کے بھی بے شمار حقوق ہیں، گناہوں کے انبار ہیں اور بے انتہا خطائیں ہیں، تب بھی فضل خدا سے مایوس نہ ہو اور رحمت حق سے ناامید نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر تم نے مقدور بھر توبہ کی کوشش کی تو خدا تمہارے لئے راستہ آسان کر دے گا اور راہ نجات کی نشاندہی کر دے گا۔ یاد رکھو رحمت حق سے مایوسی اتنا بڑا گناہ ہے کہ میں گماں نہیں کرتا نفس میں اس سے بڑا اور اسے بدتر کوئی اور گناہ اثر کرتا ہو گا۔ جو شخص رحمت حق سے مایوس ہو جائے اس کے دل کو تاریکی اس طرح گھیر لیتی ہے اور اس کی لگام اس طرح ٹوٹ جاتی ہے کہ پھر کسی چیز سے اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔ (لہٰذا) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم رحمت حق سے غافل ہو جاؤ اور گناہ اور اس کے نتائج تمہاری نظر میں بڑے معلوم ہوں (اور تم توبہ نہ کرو)۔ یاد رکھو! رحمت خدا ہر چیز سے بڑی اور ہر شے پر حاوی ہے۔

''خدا کی بخشش وعطا کیلئے قابلیت شرط نہیں ہے''[1]۔ تم پہلے کیا تھے؟ ظلمت عدم میں قابلیت واستعداد نہیں ہوا کرتی۔ خداوند عالم نے بے استحقاق واستعداد بغیر سوال اور بغیر کسی دُعا کے تم کو نعمتِ وجود اور کمالات وجود سے نوازا۔ بے شمار نعمتوں اور غیر محدود رحمتوں کی بساط بچھائی، تمام موجودات کو تیرے لئے مسخر کر دیا۔ تیری یہ موجودہ حالت اس حالت سے بدتر نہیں ہے جب تو محض عدم تھا۔ خدا نے رحمت ومغفرت کا وعدہ کیا ہے۔ تم ایک قدم آگے بڑھو اور اس کی بارگاہ اقدس کی طرف آؤ، وہ خود ہی کسی نہ کسی صورت میں تمہاری دستگیری کرے گا۔ اگر اس کے حقوق کی ادائیگی تم سے ناممکن ہوگئی تو وہ اپنے حقوق معاف کر دے گا اور اگر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی تمہارے لئے ناممکن ہوگئی ہے تو وہ خود اس کی تلافی کر دے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قبر کھود کر کفن چرانے والے نوجوان کا قصہ تو تم نے سنا ہی ہوگا۔[2]

---

[1] مولانا رومی کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے:

چاره آن دل عطای مبدلیست		داد او را قابلیت شرط نیست

(مثنوی، دفتر ۵، بیت ۱۵۳۷)

[2] اس قصے کا خلاصہ یہ ہے: ایک روز معاذ بن جبل نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: دروازے پر ایک نوجوان بہت بے چینی سے رو رہا ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ جب وہ آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے عرض کی: میں نے بہت سے بڑے گناہ کئے ہیں اور ان سے اور خدا کے قہر سے ڈرتا ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو رحمت خدا اور بخشش کی امید دلائی اور فرمایا: خدا بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کر دیتا ہے۔ پھر اس کے گناہ کے بارے میں پوچھا۔ جوان نے کہا: سات سال پہلے میں قبروں کو کھود کر کفن مردوں کے نکال لیا کرتا تھا۔ ایک رات انصار کی ایک نوجوان لڑکی کی قبر کھودی اور میت کے ساتھ بدفعلی کی۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو ایک آواز سنی جو مجھے عذاب خدا سے ڈرا رہی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوان کی حکایت سن کر اسے اپنی بارگاہ سے نکال دیا۔ نوجوان ایک پہاڑ پر جا کر چالیس دن اور چالیس راتیں خدا کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتا رہا یہاں تک کہ آیہ مجیدہ (سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۵): ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾: (''اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ اور یہ اپنے کئے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے'') نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پاس جا کر خوشخبری دی کہ خدا نے تیرے گناہ معاف کر دیئے۔ (بحار الانوار، ج ۶، ص ۲۳۔ تفسیر صافی، مذکورہ آیہ مجیدہ کے ذیل میں)

اے عزیز! حق کا راستہ سہل و آسان ہے، لیکن تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے، اس کیلئے اقدام کرنا چاہیے۔ لیت و لعل کرنے اور معاملے میں تاخیر کرنے اور روزانہ گناہ کو زیادہ کرنے سے کام دشوار ہو جاتا ہے، لیکن اقدام کرنے نیز معاملات اور نفس کی اصلاح کا عزم کرنے سے راستے نزدیک اور کام آسان ہو جاتا ہے۔ تم تجربہ کرلو اور تھوڑا سا اقدام کرو۔ اگر نتیجہ ملتا ہے تو میری بات کی صحت تم پر ثابت ہو جائے گی، ورنہ برائی کا راستہ کھلا ہے اور تمہارا گنہگار ہاتھ دراز ہے۔ بہر حال حضرت علی علیہ السلام نے جن دو امور کے متعلق فرمایا ہے وہ کمال توبہ اور توبہ کاملہ کی شرائط میں سے ہیں۔ نہ صرف ان دونوں کے بغیر توبہ حاصل یا قبول نہیں ہوتی، بلکہ ان کے بغیر توبہ کامل بھی نہیں ہوتی۔

یہ بات بھی جان لو کہ سالکوں کی منزلوں میں سے ہر ایک کیلئے مراتب (درجات) ہیں جو ان کے دلوں کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر توبہ کرنے والا اس کے درجہ کمال تک پہنچنا چاہتا ہے تو ترک کا تدارک کرے۔ یعنی جن چیزوں کو چھوڑ دیا تھا ان کا ازالہ کرے۔ (اسی طرح) حظوظ کا بھی تدارک کرے، یعنی گناہوں کے دوران جو نفسانی لذتیں اس کو حاصل ہوئی ہیں ان کا ازالہ کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی مملکت میں گناہوں سے جو جسمانی آثار پیدا ہو چکے ہیں ان کو بالکل ختم کردے تا کہ نفس پھر اپنی پہلی صفائی اور فطری روحانیت کی طرف پلٹ سکے اور اس کی مکمل تطہیر ہو جائے، جیسا کہ تم پہلے جان چکے ہو کہ ہر گناہ اور ہر لذت سے روح کے اندر ایک اثر بیدار ہو جاتا ہے اور بعض سے جسم میں بھی ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس توبہ کرنے والے کو چاہیے کہ مردانہ وار مقابلہ کرے تا کہ اس کے آثار مکمل طور پر ختم ہو جائیں اور اس کو چاہیے کہ جسمانی اور روحانی ریاضت کرے تا کہ اس کے لوازم و اثرات بھی مکمل طور پر ختم ہو جائیں جس طرح مولائے کائنات علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

پس جسمانی ریاضت کے ذریعے اور مقویات و مفرحات کو ترک کر کے، اگر اس کے ذمہ واجبی روزے ہوں تو ان کو رکھ کر ورنہ مستحب روزے رکھ کر، گناہوں سے یا معصیت کے زمانے میں جو گوشت پیدا ہوا ہے، اس کو پگھلا دے اور روحانی ریاضتوں اور مناسک و عبادتوں کے ذریعہ لذات گناہ کا ازالہ کرے، کیونکہ روح کے ذائقے میں طبعی لذتوں کی صورت موجود ہے اور جب تک وہ صورتیں رہیں گی نفس ان کی طرف مائل اور دل ان کا دلدادہ رہے گا۔ (مگر پھر بھی) یہ خطرہ لگا رہے گا کہ خدانخواستہ نفس

دوبارہ سرکشی پیدا کرلے اور لگام ہاتھ سے چھوٹ جائے، لہٰذا راہِ آخرت کے سالک اور گناہوں سے تائب کیلئے ضروری ہے کہ عبادت و ریاضت کی تلخی کا مزہ روح کو چکھائے اور اگر کسی رات کو گناہ اور عیش وعشرت میں گزارا ہے تو اس کا ازالہ اس طرح کرے کہ ایک اور رات عبادت خدا میں بسر کرے۔ اگر کسی دن کو نفس کی طبعی لذتوں میں گزارا ہے تو پھر روزہ ومناسک سے اس کا تدارک کرے تا کہ نفس بالکل اس کے اثرات ولوازم سے جو حصول تعلقات اور دنیا سے زبردست محبت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، پاک و پاکیزہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح توبہ کامل تر ہو جائے گی اور نفس کی فطری نورانیت بھی واپس پلٹ آئے گی اور پھر ان امور میں مصروفیت کے دوران مسلسل ان میں غور وفکر کرتا رہے۔ یعنی گناہوں کے نتائج، خدا کی شدید گرفت، میزان اعمال کی سختی، عالم برزخ وقیامت کے عذاب کی شدت، (میں غور کرتا رہے) اور خود بھی سمجھے اور اپنے نفس کو بھی سمجھاتا رہے کہ یہ سب اعمال قبیحہ اور مالک الملوک کی مخالفت کی صورتیں اور ان کے نتائج ہیں۔ (تب) امید ہے کہ اس علم وتفکر کے بعد نفس گناہوں سے متنفر ہو جائے، مکمل طور پر ان سے جدا ہو جائے اور توبہ کے سلسلے میں اپنے مقصد تک پہنچ جائے اور اس کی توبہ کامل اور تمام ہو جائے۔

لہٰذا یہ دو مقامات توبہ کی منزل کی ترمیم وتکمیل کے عناصر میں سے ہیں۔ ہاں! جو انسان پہلے مرحلے میں منزل توبہ میں داخل ہونا چاہے اس کو یہ خیال نہ کرنا چاہے کہ اس سے توبہ کی آخری منزل چاہی گئی ہے اور یہ چیز اس کی نظر میں دشوار اور منزل پُر صعب نظر آئے اور وہ یکبارگی اس کو چھوڑ بیٹھے، (بلکہ) راہ آخرت کے سالک کیلئے جتنا ممکن ہو اور اس کے حالات اجازت دیں بس اسی مقدار میں توبہ مطلوب ومرغوب ہے۔ پھر جب وہ اس راستے پر لگ جائے گا تو خدا اس کیلئے آسانی فراہم کرے گا۔ اس لئے راہ کی سختی انسان کو اصل مقصد سے نہ روک دے، کیونکہ مقصد بہت ہی اہم اور بڑا ہے۔ اگر ہم مقصد کی عظمت کو سمجھ لیں تو اس راستے میں ہر زحمت آسان ہو جائے گی۔ بھلا ابدی نجات اور دائمی راحت وسکون سے بڑھ کر کونسا مقصد ہو سکتا ہے اور شقاوت سرمدی اور ہلاکت دائمی سے بڑھ کر کونسا خطرہ عظیم ہو گا؟ توبہ نہ کرنے اور اس میں لیت ولعل کرنے اور تاخیر کرنے سے ممکن ہے انسان ابدی شقاوت اور ہمیشہ

کے عذاب اور دائی ہلاکت تک پہنچ جائے اور توبہ کرنے سے ممکن ہے انسان سعید مطلق اور محبوب حق ہو جائے۔ پس جب مقصد اتنا عظیم ہے تو چند دنوں کی زحمت میں کیا حرج ہے؟

یہ سمجھ لو کہ اپنے امکان بھر اقدام چاہے وہ کم ہو فائدہ مند ہے۔ تم آخرت کے امور کا قیاس دنیا کے امور پر کرو۔ عقلمند حضرات اگر اپنے اعلیٰ مقصد تک نہیں پہنچ پاتے تو چھوٹے مقصد سے دست بردار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر مطلوب کامل کو نہیں حاصل کرتے تو ناقص مطلوب سے بھی صرف نظر نہیں کرتے۔ تم بھی اگر اس کے کمال تک نہیں پہنچ سکتے تو اصل مقصد اور اصل حقیقت تک پہنچنے سے نہ رکو۔ جتنا بھی ممکن ہو اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرو۔

چوتھی فصل: استغفار کا نتیجہ

توبہ کرنے والے پر جو باتیں ضروری ہیں کہ ان پر عمل کرے ان میں سے ایک غفاریت حق تعالیٰ کی پناہ اور پروردگار عالم سے حالت استغفار حاصل کرنا ہے۔ اس ذات مقدس جل جلالہ کی غفاریت یہ ہے کہ زبان حال وقال سے تنہائیوں میں ظاہری و باطنی طور سے عاجزی و نالہ وتضرع وزاری سے دُعا کرے: (خدایا!) میرے گناہوں اور ان کے نتائج کو مخفی کردے، کیونکہ اعمال کی ملکوتی صورتیں بمنزلہ انسان کی اولاد کے ہیں، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں اور توبہ وصیغہ استغفار کی حقیقت بمنزلہ لعان ہے۔ خداوند عالم اپنی غفاریت وستاریت کی بنا پر ان اولادوں (گناہوں) کو استغفار کرنے والے کے استغفار کی وجہ سے اس سے منقطع کردیتا ہے اور تمام ان موجودات کو خواہ ملائکہ ہوں یا نامہ عمل لکھنے والے ہوں یا وہ وقت اور مقام ہو یا خود اس گنہگار کے اعضاء وجوارح ہوں، جو اس کی حالت پر مطلع ہوتے ہیں، حکم دے دیتا ہے کہ اس بندے کے گناہوں کو چھپا دو اور خدا سب کو بھول جانے کا حکم دے دیتا ہے، جیسا کہ زیر بحث حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا دونوں فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کے جو کچھ گناہ تم نے لکھے ہیں ان کو بھول جاؤ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خدا اعضاء وجوارح اور زمین (وزمان) کو وحی کرتا ہو کہ بھول جاؤ اور ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں آنسئی سے یہی مراد ہو، جیسے کہ یہ بھی امکان ہے کہ ان چیزوں کو حکم دے دے کہ گواہی نہ دینا اور ہوسکتا ہے کہ اعضاء سے رفع آثار معاصی مراد ہوں کہ جس کے واسطے سے

شہادت تکوینی حاصل ہوتی ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرتا تو ممکن تھا کہ اس کے اعضاء بہ لسان قال یا حال، بہر حال اس کے کئے ہوئے گناہوں پر گواہی دیتے، مگر خدا کی غفاریت وستاریت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس عالم میں ہمارے اعضاء ہمارے اعمال کی گواہی نہ دیں اور زمان ومکان ہمارے افعال کو چھپا لیں۔ یہی صورت دوسری دنیاؤں میں بھی ہوگی، بشرطیکہ ہم صحیح توبہ اور خالص استغفار کے ساتھ اس دنیا سے چلے جائیں۔ (اور یہ بھی ممکن ہے کہ) ہمارے اعمال مکمل طور پر مخفی ہو جائیں، مگر شاید کرامت حق تعالیٰ جل جلالہ کا تقاضا دوسرے مطلب کیلئے ہوتا کہ توبہ کرنے والا کسی کے سامنے سرنگوں اور شرمندہ نہ ہو۔

پانچویں فصل: ''توبۂ نصوح'' کی تفسیر

جان لو کہ ''توبۂ نصوح'' کی تفسیر میں کچھ اختلاف ہے جس کا اجمالی ذکر یہاں مناسب ہے۔ ہم یہاں پر محقق جلیل شیخ بہائی (قدس اللہ نفسہٗ) کے کلام کے ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں۔

محدث خبیر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ شیخ بہائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

مفسرین نے توبہ ''نصوح'' کے معنی میں چند وجوہات کو ذکر کیا ہے:

اول: اس سے ایسی توبہ مراد ہے جو لوگوں کو نصیحت کرے، یعنی لوگوں کو دعوت دے کہ وہ بھی اسی طرح کریں جس سے اس کے مالک میں آثار جمیلہ پیدا ہوں یا یہ کہ وہ توبہ کرنے والوں کو ایسی نصیحت کرے کہ وہ گناہوں کو بالکل ختم کر دیں اور پھر دوبارہ اس کا اعادہ نہ کریں۔

دوم: اس توبہ کو ''توبۂ نصوح'' کہتے ہیں جو خالص خدا کیلئے ہو۔ جیسے موم سے پاک خالص شہد کو ''نصوح'' کہا جاتا ہے اور (یہاں) خلوص یہ ہے کہ گناہوں کی برائی کی وجہ سے اس پر پشیمان ہو یا اس لئے پشیمان ہو کہ وہ گناہ رضائے الٰہی کے خلاف ہیں اور پشیمانی جہنم کے خوف سے نہ ہو۔[1]

جناب محقق طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تجرید میں حکم فرمایا ہے:

---

[1] اربعین شیخ بہائی، ص ۳۳۲، حدیث ۳۸۔ مراۃ العقول، ج ۱۱، ص ۲۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب توبہ، حدیث ۱۔

آتش جہنم سے ڈرنے کی وجہ سے گناہوں سے پشیمانی توبہ نہیں ہے۔[1]

دیگر یہ کہ: ''نصوح'' نصاحت سے ہے جس کے معنی سینے کے ہیں، کیونکہ جس طرح سلائی لباس کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کردیتی ہے، اسی طرح توبہ بھی گناہوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے دین کو جوڑ دیتی ہے یا پھر توبہ، تائب اور اولیائے خدا اور اس کے دوستوں کو جمع کردیتی ہے۔

نیز، نصوح خود تائب کی صفت ہے اور توبہ کی طرف نصوح کی اسناد، اسناد مجازی ہے۔ یعنی توبہ نصوح وہ توبہ ہے جو توبہ کرنے والوں کو نصیحت کرتی ہے کہ توبہ کو اچھی طرح سے بجالانا چاہیے۔ یعنی اس طرح بجا لائیں کہ گناہوں کے آثار دل سے بالکل مٹ جائیں اور وہ اس طرح کہ حسرت وافسوس کے ذریعے نفوس کو پگھلادیں اور برائیوں کی تاریکی کو خوبیوں کے نور سے مٹادیں۔

تکمیل: تمام موجودات علم وحیات رکھتے ہیں

یہ جان لو کہ توبہ کیلئے (کچھ) حقائق ولطائف اور (کچھ) اسرار ہیں اور ہر سالک الی اللہ کیلئے مخصوص قسم کی توبہ ہے جو انہی کیلئے مخصوص ہے اور چونکہ ان مقامات میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اس لئے اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا اس کتاب سے چنداں مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس مقام کو ایک ایسے نکتے کو ذکر کرنے کے بعد ختم کریں جو حدیث شریف سے مستفاد ہے اور جو ظاہر کتاب کریمہ الٰہی کے مطابق اور متفرق ابواب میں مذکور احادیث کثیرہ کے بھی مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا کے ہر موجود میں علم، حیات اور شعور پایا جاتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ تمام موجودات خداوند عالم کی معرفت بھی رکھتی ہیں۔ چنانچہ تمام اعضاء وجوارح اور زمین کے ٹکڑوں کو خدا کے فرمان کو چھپانے یا اطاعت کرنے کی وحی ہو چکی ہے اور تمام موجودات کا بنص قرآن تسبیح کرنا جس کے ذکر سے احادیث شریفہ بھی بھری پڑی ہیں[2] یہ باتیں خود ان چیزوں کے علم وادارک وحیات کی دلیل ہیں، بلکہ خالق ومخلوق کے درمیان ایک ایسے مخصوص

---

[1] کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد، ص ۲۶۴، مقصد ششم فی وجوب التوبۃ۔

[2] جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾: ''دنیا کی ہر شے خدا کی حمد وتسبیح کرتی ہے، مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے''۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۴۴)۔ یاد رہے کہ تفسیر برہان میں اس آیت کے ذیل میں مخلوقات کی تسبیح سے متعلق آٹھ روایات کا ذکر ہے۔

رابطے کی دلیل ہیں جس پر خدا اور: ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾[1] : (اور اس کی رضایت حاصل ہونے والے بندوں) کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہے اور یہ خود ان معارف میں سے ہے جنہیں قرآن کریم اور احادیث آئمہ معصومینؑ نے تمام لوگوں تک پہنچایا ہے اور حکمائے اشراق کے برہان واصحاب عرفان کے ذوق اور ارباب سلوک وریاضت کے مشاہدات کے (بھی) موافق ہیں۔

علوم عالیہ ماورائے طبیعہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ وجود، عین کمالات واسماء وصفات ہے اور جس مرحلے میں بھی ظاہر ہو اور جس آئینے میں متجلی ہو تمام شئون وکمالات (یعنی) علم وحیات وباقی امہات سبعہ کے ساتھ ظاہر ومتجلی ہوتا ہے اور حقیقت وجود کے تجلی کا ہر مرحلہ اور معبود کے جمال کامل کے تنزلات نور کا ہر مرتبہ مقام اَحدیت سے خاص ربط رکھتا ہے اور مقام ربوبیت کی چھپی ہوئی معرفت کا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾

کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اللہ کی گرفت میں نہ ہو۔[2]

اس میں کہا جاتا ہے کہ ﴿هُوَ﴾ مقام غیب ہویت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ وہی اصل غیبی سری وجودی ربط ہے جس کی معرفت کسی موجود کیلئے ممکن نہیں ہے۔

(سترہویں حدیث کا اختتام)

(جاری ہے)

✲✲✲✲✲

---

[1] یہ ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن میں ارشاد ہے: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾: ''وہ عالم غیب ہے اور اپنے پسندیدہ رسول کے علاوہ کسی کو بھی اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا''۔ (سورۂ جن، آیت ۲۷)

[2] سورۂ ہود، آیت ۵۶۔

QUARTERLY

The Sada-e-Saqalain

LONDON

April to June 2016

الإمام علي عليه السلام: إن فاطمة عليها السلام أتت النبي صلى الله عليه وآله تسأله خادما، فقال: ألا أخبرك ما هو خير لك منه؟ تسبحين الله عند منامك ثلاثا وثلاثين، وتحمدين الله ثلاثا وثلاثين، وتكبرين الله أربعا وثلاثين. فما تركتها بعد. قيل: ولا ليلة صفين؟ قال: ولا ليلة صفين۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: (ایک مرتبہ) حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے خادمہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا: "میں تمہیں اس سے بڑی شے بتا سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر (کی تسبیح) پڑھ لیا کرو"۔ (دن بھر کی تمام تھکن دور ہو جائے گی)۔ (حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:) اس کے بعد میں نے کبھی اس تسبیح کو ترک نہیں کیا۔ ایک شخص نے پوچھا: (مولا!) صفین کی رات بھی؟ فرمایا: ہاں صفین کی رات بھی۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۰۴۰ حدیث ۵۰۴۷، صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۹۱ حدیث ۲۷۲۷)

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK